

عمر بن خطاب کی زندگی



مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی
سکون کا باعث بنتا ہے

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زندگی

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2024 کے ذریعہ شائع کیا گیا۔

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

عمر بن خطاب کی زندگی

دوسرا ایڈیشن۔ 17 مارچ 2024۔

کاپی رائٹ © 2024 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

فہرست کا خانہ

[فہرست کا خانہ](#)

[اعترافات](#)

[مرتب کرنے والے کے نوٹس](#)

[تعارف](#)

[عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زندگی](#)

[اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ میں زندگی](#)

[تعلیم کی اہمیت](#)

[آپ کی دیکھ بھال کے تحت](#)

[مشکلات کے بعد آسانی](#)

[کمائی کی اہمیت](#)

[انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا](#)

[اسلام کے سفیر](#)

[خواہشات کی عبادت کرنا](#)

[ہمدردی کا احساس](#)

[عمر رضی اللہ عنہ اسلام کی تلاش](#)

[اسلام کی حمایت](#)

[ایمان میں استقامت](#)

[ضد سے بچنا](#)

[سچا عقیدہ](#)

[نیکی کو برائی سے پہچاننا](#)

[اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں زندگی](#)

ایک مختلف راستے کا انتخاب

اپنے کاروبار کا خیال رکھنا

حق پر عمل کرنا

اپنی حفاظت کرنا

مدینہ کی طرف ہجرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوران مدینہ میں زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر

ایک خوبصورت میراث

نماز کی اذان

کامیابی کے لیے کال کریں۔

دوسروں کے لیے اخلاص

بھائی چارہ

سمجھدار سوالات

گہری تفہیم

صرف سزا

کامل ایمان

دوسروں کا دورہ کرنا

تمام برائی کی کلید

سچی ہدایت پر قائم رہنا

علم کے لیے کوشش کرنا

ایک سچا مومن

دنیا سے لاتعلقی

دوسروں کی دیکھ بھال کرنا

درست طریقے سے ترجیح دینا

مثال کے طور پر رہنمائی

مضبوط ایمان

جنت کی جابی

برائی کے اثرات کو کم کرنا

اللہ کے لیے محبت

سچائی کو مجسم کرنا

لالچ سے بچنا

ہجرت کے بعد دوسرا سال

بدر کی جنگ

اسٹینڈنگ فرم

ایمان میں غیر سمجھوتہ

سچا پیار

ہجرت کے بعد تیسرا سال

جنگ احد

مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا

مشکلات میں اطاعت

ایک مناسب شریک حیات

ہجرت کے بعد چوتھا سال

بنو نضیر

بدلہ لینا چھوڑنا

دوسری بدر

ہجرت کے بعد پانچواں سال

جنگ احزاب

ایک ایگزٹ

بنو قریظہ

غدارى

ہجرت کے بعد چھٹا سال

آگ کی دو زبانیں۔

اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہتان - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

چیزوں کو جانے دینا

معابدہ حدیبیہ

حق کا ساتھ دینا

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

باقی فرم

ایک واضح فتح

شیطانی سازشیں ناکام

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

آپ کی میراث

دورہ (عمرہ)

کمزوری کے بغیر عاجزی

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

فتح مکہ

سب سے پہلے اسلام کے لیے اخلاص

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

ہمدردی

حنین کی جنگ

مشکل میں ثابت قدم رہنا

طائف کا محاصرہ

نرمی اور دوسرا امکان

برائی پر اعتراض کرنا

ہجرت کے بعد نواں سال

تبوک کی جنگ

سچی عقیدت

صبر اور قناعت

ایک مبارک قبر

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

ہجرت کے بعد 10 واں سال

الوداعی مقدس زیارت

کوئی نقصان نہیں پہنچانا

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

S عملی رول ماڈل

سب سے زیادہ علم والا

باہمی مشاورت

تحفظ ختم نبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی زندگی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب

فرمانبردار رہنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا

حق کا ساتھ دینا

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

ایک عمدہ خطبہ

مرتد کی جنگیں

ضد چھوڑنا

ایک قابل رہنما

ایمان کو تھامے رکھنا

انصاف

قرآن مجید کی تالیف

قرآن مجید کو جمع کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا

عظیم تر بھلائی کے لیے

قیادت سے خوفزدہ

اچھی چیزوں میں اطاعت کرنا

آگے بھیجنا اچھا ہے۔

ایک حتمی مشیر

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت

ایک عاجز خلیفہ

ایک عاجزانہ خطبہ

ایک خوبصورت خطبہ - 1

ایک خوبصورت خطبہ - 2

ایک خوبصورت خطبہ - 3

ایک سادہ زندگی

وفاداروں کا کمانڈر

دوسروں کی رہنمائی کرنا

رحم اور شفقت

نعمت یا لعنت

دوسروں سے مشورہ کرنا

اچھے ساتھی

اہل قرآن

علم کے درجات

انصاف سب کے لیے

مساوات

راکھ کا سال (قحط)

ایک جسم

شرافت

قانون سب پر لاگو ہوتا ہے۔

خراب عناصر کو ہٹانا

تعلیم کی اہمیت

دوسروں کی حفاظت کرنا

منصفانہ سلوک

آزادی اظہار

مساوی سلوک

حق کو قبول کرنا

نفرت بمقابلہ آزادی اظہار

حد سے زیادہ تعریف کرنا

امانتدار

اسلامی کیلنڈر

قیامت کے دن کا خوف

خود کا ذخیرہ لینا

ترازو

آگ سے بچنا

درست ادراک

عارضی بمقابلہ ابدی

درخت کا سایہ

کمینی آف دی گریٹ

بہترین

متقی بننا

اللہ کا بندہ

عوام کی خدمت

خود عکاسی

دوسروں کو تسلیم کرنا

بدلہ لینا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اخلاص

کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

علم کا احترام

خواتین کی عزت کرنا

مشورہ اور تنقید کو قبول کرنا

خواتین کے حقوق کا تحفظ

شادی کی وجوہات

دوسروں کا فیصلہ کرنا

دوسروں کی عزت کرنا

اچھی صحبت کی تلاش

شرافت ایمان میں ہے۔

دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرنا

ضرورت مندوں کی مدد کرنا

متوازن غذا

ورزش کی حوصلہ افزائی کرنا

تمام معاملات میں نرمی

انتشار سے بچنا

اسلام کی پاکیزگی کو برقرار رکھنا

اللہ پر بھروسہ رکھیں

جنونیت سے بچنا

فرض نمازوں کا قیام

دین کو زندہ کرنے والا

نجات کا مطلب

سود سے بچنا

رزق کمانا

گشت مدینہ

دوسروں کے لیے تشویش

خاندانی تعلقات

دوسروں کی مدد کرنا

کریشن کا علاج

تمام مخلوقات پر شفقت

معلومات کی تصدیق کرنا

علم حاصل کرنا

ایک خوبصورت خطبہ - 4

فائدہ مند گفتگو

والدین کی عزت کرنا

دو مقدس مساجد میں تبدیلیاں

زمین پر بہترین مقامات

مسافروں کے لیے

تجارتی راستوں کو بہتر بنانا

اسلامی شہر

اچھا خرچ

غرور سے بچنا

سچی شکرگزاری

فوڈ بینکس

نرمی کے ساتھ سختی

احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھروسہ ہے۔

بڑا طاعون

تقدیر کو قبول کرنا

علیحدگی کا مشورہ

علیحدگی کا مشورہ - 2

فرائض کی تکمیل

منصفانہ سلوک کرنا

حق کی پیروی کرنا

نیک سلوک

مالی معاملات

رویہ کو اپنانا

قوم کے لیے خوف

ججوں کے لیے ایک سبق

انصاف پسند ججز

خامیاں کم کرنا

دنیاوی چیزوں سے لاتعلقی

جہالت

سیپرینر والے

مشاورت کی اہمیت

مساوی سلوک

متوازن ذہنی حالت

غصے سے بچنا

رشوت سے بچنا

اچھا علاج

پڑوسی

جہاں عظمت مضمر ہے۔

خوابشمند قیادت

زندگی ایک آئینہ ہے۔

احتساب

ملازمت کی شرائط

[بلائنڈ ٹرسٹ سے بچنا](#)

[ایک لیڈر کو مشورہ](#)

[سنیاسی](#)

[عاجزی](#)

[تقویٰ کو اپنانا](#)

[حسد سے بچنا](#)

[مسلمانوں کے آداب](#)

[فہنڈز کا غلط استعمال](#)

[جنت کی زیارت کرنا](#)

[مساوات کی اہمیت](#)

[ثابت قدم رویہ](#)

[دوسروں کی نگرانی کرنا](#)

[انصاف کا نفاذ](#)

[سختی کے ساتھ محبت](#)

[اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان](#)

[غم کے اوقات](#)

[فارسیوں کے خلاف مہم](#)

[دوسروں کی رہنمائی کرنا](#)

[ایک جنرل کو مشورہ](#)

[دوسرا چانسز](#)

[دنیا کے غلام](#)

[وعدوں کو پورا کرنا](#)

[ایک طاقتور مشورہ](#)

[ایک خوبصورت خطبہ – 5](#)

دوسروں کے بارے میں سوچنا

ایک حکیمانہ مشورہ

روحانی مشورہ

ایمان کی دعوت

بالختیار بنانا

قادیسیہ کی جنگ

باقی فرم

واقعی امیر

حق کی پیروی کرنا

کوئی مراعات نہیں۔

غلطیوں کو نظر انداز کرنا

سچائی کے ساتھ رہنمائی کرنا

سادگی

خیانت سے بچنا

کامیابی کا امتحان

آسانی کے ذریعے ٹیسٹ

خواہشات کی پیروی کرنا

اتفاق سے اختلاف کرنا

ایمان پر عمل کرنے کی اہمیت

ایک مخلص لیڈر

غصے پر قابو پانا

رومیوں کے خلاف مہم

ایک ایماندارانہ تفصیل

ایک لیڈر کو مشورہ

ادراک کی اہمیت

حسد کو ختم کرنا

عزت اور ذلت

برتری اور کامیابی

ایک مسافر

مخلص سیاہی

مالی معاملات

مصر کی طرف مہم

فکسنگ کریٹ نہیں۔

شکر گزاری کا عمل

مسلمانوں کا رویہ

سب برابر ہیں۔

کیسے جینا ہے۔

مسلمانوں کی طاقت

دوسروں کے لیے پیار کرنے والا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے کوشش کرنا

مہربان علاج

اللہ کا گھر

مذہبی آزادی

آخرت کو ترجیح دینا

ایک یاد دہانی

شرافت ایمان میں ہے۔

قیادت کی خوبیاں

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قتل

دنیا کا غلام

نماز کا اخلاص

احتساب سے ڈرتے ہیں۔

عاجزی

بیچتاوا ہے۔

بہترین صحبت

دوسروں کے لیے غمگین

خلافت کا مشورہ

حکمرانی

حتمی احکام

حتمی مشورہ

ایک عمدہ رول ماڈل

اچھی صحبت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا

اگلا خلیفہ

ایک سچی تعریف

نتیجہ

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

دیگر شیخ یوڈ میڈیا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روزِ آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com پر دی جا سکتی ہیں۔

تعارف

مندرجہ ذیل مختصر کتاب میں عظیم صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام کے دوسرے ہدایت یافتہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زندگی سے کچھ اسباق پر بحث کی گئی ہے۔

زیر بحث اسباق کو نافذ کرنے سے ایک مسلمان کو اعلیٰ کردار حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ قیامت کے ترازو میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوگی۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ نمبر 68 القلم آیت نمبر 4 میں فرمائی ہے

”اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔“

لہذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کے حصول کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ میں زندگی

تعلیم کی اہمیت

زمانہ جاہلیت میں بھی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عربی پڑھنا سیکھی تھی جو اس زمانے میں بہت کم تھی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 44 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کا رویہ واضح طور پر علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضر ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح

کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بچپن سخت تھا۔ وہ اپنے والد الخطاب کے اونٹوں کی دیکھ بھال کرتا تھا، جو اسے تھکا دیتا تھا اور اگر وہ اپنے کام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا تھا تو اسے مارتا تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 45 میں بحث کی گئی ہے۔

بچپن میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سخت سلوک کا ان پر منفی اثر پڑا کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت میں سخت بالغ ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنے سے گریز کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی صحیح طریقے سے پرورش کا فرض ادا کریں۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

مشکلات کے بعد آسانی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بچپن سخت تھا۔ وہ اپنے والد الخطاب کے اونٹوں کی دیکھ بھال کرتا تھا، جو اسے تھکا دیتا تھا اور اگر وہ اپنے کام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا تھا تو اسے مارتا تھا۔ اپنی خلافت کے دوران، انہوں نے ایک بار اپنے بچپن کا تذکرہ کیا اور پھر تبصرہ کیا کہ اگرچہ انہیں اس مرحلے پر لے جایا گیا جہاں ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی شخص نہیں تھا، یعنی اس پر کسی کو اختیار نہیں تھا جیسا کہ وہ تھا۔ خلیفہ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 45 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7

”اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔“

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخر کار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146

”اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76

اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے [اس وقت [سے پہلے [اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی " اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت [یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں، تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے آسانی کا

باعث بنتا ہے۔ اس کے احکام کو پورا کرنے سے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے۔

لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جاسکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

کمائی کی اہمیت

اپنے بچپن میں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے والد اور خالہ کے لیے چرواہے کا کام کیا۔ بعد میں، وہ ایک تاجر بن گیا جس نے بہت سے کاروباری دورے کیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 45-47 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے حلال رزق کمانے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان ایک حلال پیشے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں آباد ہوتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع کا استعمال کیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کو پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشکوک یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے جس میں دولت بھی شامل ہے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ

تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی نہیں کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ چونکہ عربوں کی زندگی، حالات اور رسم و رواج کے بارے میں جاننے کے لیے ہر وقت بے چین رہتے تھے، اس لیے لوگ اپنے تنازعات کے حل کے لیے ان کے پاس آتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 47 میں بحث کی گئی ہے۔

لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا اسلام میں ایک اہم معاملہ ہے اس لیے ہر وقت اپنے تمام فیصلوں میں انصاف کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور ”رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔¹ پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

اسلام کے سفیر

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ چونکہ عقلمند، فصیح، خوش گفتار، مضبوط، اعلیٰ اور صاف گوئی کے مالک تھے، ان کو مکہ کے حکمران قبیلے قریش کے لیے سفیر کے طور پر منتخب کیا گیا۔ اگر قبیلہ قریش اور کسی اور کے درمیان جھگڑا ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے صورت حال پر تبادلہ خیال کرنے کے لیے بھیجتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 47-48 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے اس سے مسلمانوں کو اسلام کے سفیر کے طور پر ان کے کردار کی یاد دلانی چاہیے۔ لیے اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

خواہشات کی عبادت کرنا

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پرورش سخت گیر انداز میں ہوئی تھی اور وہ اپنی قوم کے طریقوں اور رسم و رواج سے بے پناہ محبت رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے شروع میں اسلام کی سخت مخالفت کی۔ اسے خوف تھا کہ اسلام مکہ میں قائم ہونے والے نظام میں خلل ڈال دے گا، ایک ایسا نظام جس نے مکہ کو عرب لوگوں میں اپنی برتری عطا کی۔ اس نظام نے اس بات کو یقینی بنایا کہ مکہ والوں کے ساتھ احترام کے ساتھ برتاؤ کیا جائے اور یہی ان کی خوشحالی کا سبب بنے۔ یہ ایک اہم وجہ ہے کہ مکہ کے غیر مسلموں کے امیر اور بااثر افراد نے اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 48 میں بحث کی گئی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کا ہر پرستار صرف اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے۔ ان کے دیوتا ان کی خواہشات کا محض ایک جسمانی مظہر ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص بت کی شکل میں دیوتا کی پوجا کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ بے جان بت انہیں اپنی زندگی کسی خاص طریقے سے گزارنے کا حکم نہیں دے سکتا، اس لیے پوجا کرنے والا خود فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بے جان بت کو کس طرح جینا پسند کرے گا۔ اور یہ ضابطہ اخلاق ان کی اپنی خواہشات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے ان کی خواہشات کی عبادت ہی ان کی عبادت کی جڑ ہے۔ بااثر اور امیر لوگ اس ذہنیت میں زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق کے معنی اسلام کو قبول کرنا انہیں ایک مخصوص ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کر دے گا جو انہیں اپنی گمراہ خواہشات پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ وہ دوسروں کو ان کی پیروی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنا اثر و رسوخ اور اختیار کھونا نہیں چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے تھے۔

ہمدردی کا احساس

جیسے جیسے سماجی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کا تشدد بڑھتا گیا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیچھے اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھر سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 1-2 میں بحث کی گئی ہے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت مکہ سے نکل رہی تھی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی سرگرمیوں پر سوال کیا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ مکہ چھوڑ رہے ہیں کیونکہ وہ اس سے اور دوسرے غیر مسلموں سے تنگ آچکے ہیں جو ان پر مسلسل ظلم کر رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مخصوص سختی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے کچھ ایسے مہربان کلمات کہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ وہ ان کی کمی محسوس کریں گے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 49-50 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سخت تھے لیکن ان کی سختی کی جڑ برائی میں نہیں تھی بلکہ اس کی جڑ مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ غلط وفاداری اور ان کے گمراہ طریقوں میں تھی۔ ایسا لگتا ہے، اس نے صرف وہی سلوک کیا جیسا کہ اس نے اپنے لوگوں کو متحد کرنے کی خواہش کی، جیسا کہ وہ اسلام کے آنے سے پہلے تھے۔

عام طور پر، دوسروں کے لیے اس قسم کی ہمدردی رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ غالباً یہ پہلا جذبہ تھا جس نے عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے بارے میں اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ ان کا طرز عمل ان کے اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے دور کر رہا تھا۔ جبکہ

مکہ کے بہت سے دوسرے غیر مسلموں کو صرف دولت اور اختیار کے لالچ میں اپنے طرز زندگی کی حفاظت کی فکر تھی اس لیے وہ رخصت ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوشی مناتے تھے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خود غرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خود غرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ اسلام کی تلاش

اسلام کی حمایت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے کچھ عرصہ پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ درج ذیل دو آدمیوں میں سے جو بھی آپ کو زیادہ محبوب ہو، اس کے ذریعے اسلام کی حمایت کرے۔ ابوجہل یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ آپ کو سب سے زیادہ محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 3681 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اخلاص اختیار کرتے ہوئے اسلام کی حمایت کی۔ مسلمانوں کو اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام کا اخلاص ہے: اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، معنی، قرآن پاک، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ اور ان پر، معاشرے کے رہنماؤں اور عام لوگوں پر درود و سلام۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو "کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

”اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔“

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ جماعت کے قائدین کا مخلص ہونا ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب النساء آیت 59 4

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم " ...میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری چیز جو عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

ایمان میں استقامت

اسلام قبول کرنے سے پہلے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ جب وہ اپنی تلوار لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ان کی مجلس سے نکلے تو نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹانے کی کوشش کی۔ السلام علیکم اس نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بتا کر ڈانٹا کہ ان کے اپنے خاندان کے افراد اسلام قبول کر چکے ہیں: ان کی بہن، بہنوئی اور کزن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اور اس کے گھر میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے شروع میں انکار کیا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ آخر کار، انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا حالانکہ اس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مارا پیٹا تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 51-53 میں بحث کی گئی ہے۔

ظلم و جبر کے باوجود بھی عمر کی بہن فاطمہ بنت الخطاب اور ان کے شوہر سعید رضی اللہ عنہ اپنے ایمان پر ٹپے رہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ

کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

ضد سے بچنا

اسلام قبول کرنے سے پہلے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ جب وہ اپنی تلوار لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ان کی مجلس سے نکلے تو نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹانے کی کوشش کی۔ السلام علیکم اس نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بتا کر ڈانٹا کہ ان کے اپنے خاندان کے افراد اسلام قبول کر چکے ہیں: ان کی بہن، بہنوئی اور کزن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اور اس کے گھر میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے شروع میں انکار کیا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ آخر کار، انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا حالانکہ اس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مارا پیٹا تھا۔ آخر کار، عمر رضی اللہ عنہ اس سے خوش ہو گئے، پرسکون ہو گئے اور اپنی بہن سے درخواست کی کہ وہ اسے دکھائیں کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 51-53 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنے رشتہ داروں کی استقامت کو دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ضد کو ایک طرف رکھ دیا اور ان کے عقیدہ کی صحیح تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

سچا عقیدہ

اسلام قبول کرنے سے پہلے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ جب وہ اپنی تلوار لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ان کی مجلس سے نکلے تو نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹانے کی کوشش کی۔ السلام علیکم اس نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بتا کر ڈانٹا کہ ان کے اپنے خاندان کے افراد اسلام قبول کر چکے ہیں: ان کی بہن، بہنوئی اور کزن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اور اس کے گھر میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے شروع میں انکار کیا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ آخر کار، انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا حالانکہ اس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مارا پیٹا تھا۔ آخر کار، عمر رضی اللہ عنہ اس سے خوش ہو گئے، پرسکون ہو گئے اور اپنی بہن سے درخواست کی کہ وہ اسے دکھائیں کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اس نے اسے حکم دیا کہ پہلے اپنے آپ کو دھو لے، کیونکہ وہ ناپاک تھا۔ اس کے بعد آپ نے وہ کاغذ لیا جو وہ پڑھ رہے تھے اور قرآن پاک کی سورہ 20 طہ کی تلاوت کرنے لگے۔ اس کی تلاوت کے دوران ایمان کی روشنی اس کے روحانی قلب میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹھکانے کے بارے میں پوچھا۔ خباب رضی اللہ عنہ ان کے گھر میں چھپے ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روحانی قلب میں داخل ہونے والی حقیقت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ظاہر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بارے میں بتایا۔ اس کی رہنمائی کے لیے یا ابو جہل کی رہنمائی کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ دعا جامع ترمذی نمبر 3681 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تشریف لے گئے جو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے۔ ان سے خوش ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ شروع میں خوفزدہ ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اسے پکڑ لیا۔ لیکن مؤخر الذکر نے انہیں حکم دیا کہ اسے جانے دیں۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی نیت دریافت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا اعلان کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 51-56 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی سے ظاہر ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو نہ صرف زبانی طور پر اس پر ایمان کا اعلان کیا بلکہ عملی طور پر اس کی تعلیمات پر عمل کیا۔ ہر مسلمان کا یہی رویہ ہونا چاہیے۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی

ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل

نیکی کو برائی سے پہچاننا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت کے طریقوں اور رسم و رواج کو پوری طرح سمجھ لیا تھا اور ان سے محبت اور دنیاوی فوائد کی وجہ سے اپنی پوری قوت سے ان کا دفاع کیا۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد، اس نے اس کی خوبصورتی اور اصلیت کو سمجھا اور اس لیے اچھے اور برے کے واضح فرق کو پہچان لیا۔ ہدایت اور گمراہی؛ اور سچ اور جھوٹ۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 48 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ جہالت انسان کو برائی سے اچھائی اور حق کو باطل سے پہچاننے سے روکتی ہے۔

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرز عمل کی مثال قرآن پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔ (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی کثرتیں ... "اٹھائے ہوئے ہے۔

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

نمبر 2322 میں موجود ایک جامع ترمذی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حدیث میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس ذکر سے جو بھی تعلق ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کر کے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر سکیں میں موجود حدیث سے ہوتی ہے - 224 نمبر اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ

اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں زندگی

ایک مختلف راستے کا انتخاب

اسلام قبول کرنے کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ماموں ابو جہل کے پاس گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ابو جہل غصے سے اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ منہ پر مارا۔ ایسا ہی ہوا جب وہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے ایک اور بزرگ کے پاس گیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 57 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست، تو انہیں ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے اور

یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

اپنے کاروبار کا خیال رکھنا

اسلام قبول کرنے کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتے ہوئے، خانہ کعبہ کے قریب غیر مسلموں کے اجتماعات میں گئے۔ ہر بار جب وہ کسی گروہ کو اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا تو وہ اس پر حملہ کرتے لیکن وہ انہیں پیچھے ہٹا دیتا، کیونکہ وہ ایک مضبوط آدمی تھا۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا اور آخر کار مکہ کے غیر مسلموں کے ایک رئیس العاص ابن وائل سہمی نے دریافت کیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ انہیں اسے اکیلا چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ ایک شخص کو اپنا مذہب منتخب کرنے میں آزاد ہونا چاہئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو ان کا قبیلہ بنو عدی ان کی طرف سے بدلہ لیں گے۔ چنانچہ غیر مسلموں نے اسے تنہا چھوڑ دیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 57-58 میں بحث کی گئی ہے۔

العاص، شاید ایک غیر مسلم تھا لیکن اس نے سچ کہا۔ اپنے کاروبار کو سنبھالنا اسلام کی ایک اہم شاخ ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں

مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو ان کے ساتھ ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا وہ کم از کم اللہ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرنے والا۔ اس الہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل، لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم " دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ تمام تقریریں شمار ہوں گی۔ کسی شخص کے خلاف جب تک کہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

حق پر عمل کرنا

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں خانہ کعبہ میں صحابہ کرام کے ساتھ کھلے عام نماز ادا کرنے پر آمادہ کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اس سے پہلے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ ان کی تعداد، سماجی طاقت اور اثر و رسوخ بہت کم اور کمزور تھا۔ مکہ کے غیر مسلموں نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب دیا، یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 63 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی کو اپناتے ہوئے اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا

حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

اپنی حفاظت کرنا

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما معاشرتی طور پر کمزور تھے وہ خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نقصان سے بچایا اور مکہ کے غیر مسلموں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے اکیلے نکل گئے۔ اس پر امام محمد السلبی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 59 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی دوسرے کی عزت کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔

جس طرح ایک مسلمان یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی موجودگی یا غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کریں اسے بھی اپنی موجودگی یا غیر موجودگی میں دوسروں کی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے۔ درحقیقت دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب کوئی ان کے بارے میں برا کہے، جیسے غیبت کرنا۔ یا بہتان، اس بات سے قطع نظر کہ وہ جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے یا نہیں۔ یہ دوسروں کے عیب چھپانے کا ایک پہلو ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے، دونوں جہانوں میں ان کے عیب چھپاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 کی ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کا واضح ثبوت ہے، جو کہ ایک حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جانے والی صفت ہے۔ جامع ترمذی، نمبر 2688 میں موجود ہے۔

زیر بحث اہم حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کی مدد کرنے سے فائدہ ہوتا ہے اس لیے اگر وہ دوسروں کی فکر کرنے میں بہت زیادہ مشغول ہو تو اسے کم از کم اپنے مفاد کے لیے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

لیکن جو شخص کسی نقصان کے خوف کے بغیر دوسروں کی عزت کا دفاع کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کو ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اور جگہ پر اس کی عزت کی حفاظت نہیں کرے گا جہاں دوسرے اس کی خلاف ورزی کر رہے ہوں۔ اور خاص طور پر قیامت کے دن۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث دوسروں کی عزت کی حفاظت کی تلقین کرتی ہے، یہ بالواسطہ طور پر دوسروں کی عزت کو پامال نہ کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق درحقیقت یہ ایک سچے مسلمان اور مومن کی نشانی ہے۔ خاص طور پر یہ نصیحت کرتا ہے کہ ایک سچا مسلمان اور مومن اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھے۔

مدینہ کی طرف ہجرت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر تشدد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چھپ کر وہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے جو ان کی ملکیت اور جانتی تھی۔

وہ واحد شخص جس نے چھپ کر ہجرت نہیں کی وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب اس نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو اس نے اپنی تلوار رکھی، کمان اپنے کندھے پر رکھ دی، تیر اٹھائے اور اپنی لاٹھی اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ خانہ کعبہ کی طرف نکلے جہاں غیر مسلم بیٹھے ہوئے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی ہر مجلس میں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ میں ہجرت کر رہا ہوں اور جو شخص اپنی ماں کو اپنے آپ سے محروم، اپنے بچے کو یتیم اور اس کی بیوی کو بیوہ کرنا چاہے تو اسے کسی وادی کے پیچھے ملنا چاہیے۔ کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے لڑائی کا چیلنج دے سکے۔ اس کے بجائے چند کمزور اور مظلوم لوگ ان کے پیچھے چلے اور آپ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی اور پھر مکہ چھوڑ کر مٹھی بھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 60 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھروں، کاروباروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوران مدینہ میں زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر

ایک خوبصورت میراث

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا گھر، مسجد نبوی بنانا تھا۔ یہ زمین دو یتیم لڑکوں سہیل اور سہل رضی اللہ عنہ کی تھی جنہوں نے مفت میں زمین کی پیشکش کی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مفت میں لینے سے انکار کر دیا اور ان سے خرید لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 165-166 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک خوبصورت

میراث چھوڑیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جاتا ہے، جیسے پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ ان کو اس کا ثواب ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اچھی میراث چھوڑنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے جو ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنی دولت اور جائیدادوں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے ایک میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس میراث پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ لہذا ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

نماز کی اذان

کامیابی کے لیے کال کریں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کے بعد لوگوں کو ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی کہ مسجد میں باجماعت نماز کب شروع ہونے والی تھی۔ کچھ نصیحتیں کی گئیں، جیسے ہارن یا گھنٹی کا استعمال، لیکن ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کر دیا، کیونکہ آپ اہل کتاب کی تقلید نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ جب نماز باجماعت شروع ہونے والی ہو تو آدمی پکارے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اختیار کو پسند فرمایا۔ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا جس میں ایک شخص نے انہیں حکم دیا کہ اذان کس چیز پر مشتمل ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو نماز باجماعت کے لیے اذان دینے کا حکم دیا۔ اس پر امام محمد السلابی کی کتاب نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 731-733 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے غور کرنے والی بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دینے کے لیے ایک ایتھوپیا کے سابق غلام کا انتخاب کیا، ایسا شخص جسے عرب کا وسیع تر معاشرہ اس کی نسلی اور سماجی حیثیت کی وجہ سے اکثر حقیر سمجھتا تھا۔ اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49: الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ”
ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ

سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

آخر میں یہ واقعہ بھی تعلیم کی خاطر مساجد میں جانے اور فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43

”اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے

کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

دوسروں کے لیے اخلاص

مدینہ ہجرت کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ مکہ سے دو غیر مسلم ابوجہل ابن ہشام اور حارث ابن ہشام اپنے مسلمان سوتیلے بھائی عیاش ابن کو راضی کرنے کے لیے مدینہ تشریف لائے۔ ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ مکہ واپس لوٹے۔ انہوں نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتے ہیں اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی ماں سے ملنے مکہ واپس آجائے، جس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اسے نہ دیکھ لے اپنی دیکھ بھال نہیں کرے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ بصیرت رکھتے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ دو غیر مسلم عیاش رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ان کے ساتھ نہ جانا۔ عیاش رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے محبت کی وجہ سے مکہ جانا چاہا اور کہا کہ وہ اپنی والدہ کو دیکھ کر اپنا کچھ مال مکہ سے مدینہ واپس بھی لے آئیں گے۔ اس کی حوصلہ شکنی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا آدھا مال پیش کیا۔ لیکن عیاش رضی اللہ عنہ نے پھر بھی مدینہ میں رہنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار، عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا تیز رفتار اونٹ دیا اور انہیں خبردار کیا کہ اگر وہ مکہ کے غیر مسلموں پر خیانت کا شبہ کریں تو فوراً بھاگ جائیں۔ مکہ واپسی کے راستے میں عیاش رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا گیا اور اغوا کر لیا گیا۔ انہوں نے اس پر تشدد کیا یہاں تک کہ اس نے اسلام چھوڑ دیا اور اپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول نہیں کرے گا جو مرتد ہو۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے بعد مرتد ہونے والوں کے بارے میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔ باب 39 از زمر، آیات 53-55:

کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے اور پلٹ آؤ۔ اپنے رب کی طرف جھک جاؤ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی اور تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو، اس سے پہلے کہ "تم پر اچانک عذاب آجائے۔ جبکہ تم نہیں سمجھتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر یہ آیات لکھ کر ان لوگوں کے پاس بھیج دیں جن پر تشدد کیا گیا اور انہیں ارتداد پر مجبور کیا گیا۔ انہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور آخر کار اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کے لیے مدینہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 61-64 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر قدم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مکمل اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے عیاش رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی کہ وہ دو غیر مسلموں کے ساتھ مکہ واپس نہ جائیں اور مدینہ میں رکھنے کے لیے اپنا آدھا مال بھی پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اسے سفر کے لیے اپنا اونٹ بھی دیا۔ آخر کار آپ نے قرآن پاک کی یہ آیات ان کے پاس بھیجیں تاکہ وہ خلوص دل سے توبہ کر کے اسلام میں دوبارہ داخل ہونے کی ترغیب دیں۔ دوسروں کے لیے یہ اخلاص اسلام کا کلیدی پہلو ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

بھائی چارہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہم وطن مہاجرین، مہاجرین اور مددگاروں، انصار اس کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھائی بھائی بننے کی تلقین کی۔ پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن خطاب اور تین دوسرے صحابہ کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا: عویم ابن سعید، عتبٰن ابن مالک اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہم۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 66 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہو جاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدہ، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

سمجھدار سوالات

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی رائے کا اظہار کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے نہیں شرماتے تھے جب آپ کو معاملات میں یقین نہ تھا۔ لیکن اس نے ایسا کرتے وقت ہمیشہ صحیح آداب کا مشاہدہ کیا اور سمجھدار سوالات پوچھے اور سمجھدارانہ رائے کا اظہار کیا، جن کی جڑیں اسلامی علم میں تھیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 75 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 3257 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ گزشتہ امتوں کی تباہی کا باعث بنی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے وہ کریں اور جس چیز سے انہیں منع کیا گیا ہے اس سے پرہیز کریں۔

مسلمانوں کو اس ذہنیت کو نہیں اپنانا چاہئے کیونکہ جن لوگوں کو بہت زیادہ سوالات کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اکثر اپنے فرائض کو پورا کرنے اور فائدہ مند علم حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ کم اہم اور بعض اوقات غیر متعلقہ معلومات کے بارے میں پوچھنے اور تحقیق کرنے میں بہت زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔ یہ ذہنیت کسی شخص کو اس قسم کے مسائل پر بحث اور بحث کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں یہ رویہ کافی پھیل چکا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دینے کے بجائے غیر واجب اور کم اہم مسائل پر بحث کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ روایات کا صحیح معنی، پورا کرنا۔ ان کے مکمل آداب اور شرائط کے ساتھ۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے موضوعات پر تحقیق اور استفسار کرے جو دنیوی اور دینی دونوں معاملات کے لیے ضروری اور سمجھنے کے لیے ضروری ہیں ورنہ وہ اس حدیث میں مذکور لوگوں کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنی زندگی کو مزید مشکل میں ڈال دیں گے۔

گہری تفہیم

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، انہیں اسلام کی گہری سمجھ عطا کی گئی، یہ فہم صرف چند لوگوں کے درمیان ہے۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اکثر وحی الہی کے ذریعے ان کی رائے اور بیانات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایک فرشتہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 64 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 402 میں موجود ایک حدیث میں عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ ان کے تین قول کی تصدیق وحی الہی سے ہوئی ہے۔ سب سے پہلے ان کی خواہش تھی کہ وہ مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام کو نماز کی جگہ کے طور پر لے جائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت نمبر 125 نازل فرمائی:

”اور (اے ایمان والو) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ سے نماز کی جگہ بنا لو۔“

دوسرا ان کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیحت تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے خواہش کی کہ وہ مومنین کی والدہ ہیں، وہ اپنے آپ کو مردوں سے پردہ رکھیں، جیسا کہ اچھے اور برے دونوں مرد ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کریں گے اور اس لیے ناگزیر طور پر اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بات چیت کریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ النور آیت 31 نازل فرمائی:

اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی بینائی کو کم رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں " اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس سے ظاہر ہو ³ اور اپنے سروں کا کچھ حصہ اپنے سینے پر لپیٹ لیں اور اپنی شرمگاہوں کو ظاہر نہ کریں۔ زینت [یعنی خوبصورتی] سوائے ان کے شوہروں، ان کے باپوں، ان کے شوہروں کے بیٹے، ان کے شوہروں کے بیٹے، ان کے بھائیوں، ان کے بھائیوں کے بیٹے، ان کی بہنوں کے بیٹے، ان کی عورتوں کے، جو ان کے دائیں ہاتھ ہیں [یعنی غلام]، یا وہ مرد خادم جن کی جسمانی خواہش نہ ہو، یا وہ بچے جو ابھی تک عورتوں کے نجی پہلوؤں سے واقف نہیں ہیں۔ اور وہ اپنے پاؤں پر مہر نہ لگائیں تاکہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کر سکیں۔ اور اے ایمان والو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اور باب 33 الاحزاب، آیت 59

اے نبیؐ، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں " کا کچھ حصہ لٹکا لیا کریں۔

تیسرا وہ وقت ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے کچھ تناؤ کا سامنا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خبردار کیا کہ شاید وہ ان سب کو طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے بہتر بیویاں عطا فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے 66 باب تحریم آیت 5: نازل فرمایا:

ہو سکتا ہے کہ اس کا رب، اگر وہ تم کو طلاق دے دے تو اس کے بدلے تم سے بہتر بیویاں بدل دے، جو کہ فرمانبردار، ایمان والی، اطاعت گزار، توبہ کرنے والی، عبادت کرنے والی، اور سفر کرنے والی، پہلے سے شادی شدہ اور کنواری ہوں۔

مسلمانوں کو اسلام کی گہرائی سے فہم حاصل کرنے کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ کے جذبے کی تقلید کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا (اپنے علم پر عمل نہیں کیا) (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی ” کتابیں اٹھائے ہوئے ہے۔“

صرف سزا

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، انہیں اسلام کی گہری سمجھ عطا کی گئی، یہ فہم صرف چند لوگوں کے درمیان ہے۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اکثر وحی الہی کے ذریعے ان کی رائے اور بیانات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایک فرشتہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 64 میں بحث کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے بہت سے جرائم اور جنگی اعمال کی وجہ سے پھانسی دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو ناپسند کیا۔ اس کے بعد، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھانسی سے معافی دینے اور اس کے بجائے انہیں اپنی آزادی خریدنے کی اجازت دینے کا مشورہ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نصیحت سے خوش ہوئے اور اس پر عمل کیا۔ اگلے دن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے پایا۔ جب اس نے ان کے طرز عمل پر سوال کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تبصرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ عذاب دکھایا ہے جو انہیں قیدیوں کو پھانسی دینے کے بجائے فدیہ لینے پر پہنچاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت نمبر 67-68 نازل فرمائی۔

کسی نبی کے لیے یہ نہیں ہے کہ وہ [جنگ کے] قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں [اللہ کے دشمنوں] پر [قتل عام نہ کرے۔ تم] یعنی کچھ مسلمان (دنیا کی چیزیں چاہتے ہو، لیکن اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے اس سے پہلے کا حکم نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب چھو جاتا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 305 اور صحیح مسلم نمبر 4588 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

قیدیوں کو پھانسی دینا ان کے جرائم کی منصفانہ سزا تھی اور یہ مکہ کے غیر مسلموں کے پرتشدد رویے کے خلاف ایک مضبوط رکاوٹ کے طور پر کام کرتا۔ یہ روک تھام، طویل مدت میں، مزید لڑائیوں کو روک سکتی تھی جس سے جانیں بچ جاتی تھیں۔

عام طور پر، یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی شخص کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور اُٹے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے۔ یہ گا ہیں، جیسے کہ جیل اور آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے۔ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان کے سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں تھے، ان ظالم لیڈروں رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے آخرکار ہوں گے۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت کے اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہیں۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب انہیں گے۔ اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

کامل ایمان

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، انہیں اسلام کی گہری سمجھ عطا کی گئی، یہ فہم صرف چند لوگوں کے درمیان ہے۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اکثر وحی الہی کے ذریعے ان کی رائے اور بیانات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایک فرشتہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 64 میں بحث کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی وفات ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری بیماری کے دوران باقاعدگی سے ان کی عیادت کرتے تھے اس امید پر کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں گے اور سچے مسلمان بن جائیں گے۔ تاہم اس نے توبہ نہیں کی اور منافق کی موت واقع ہوئی۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص کی درخواست کی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد کے جسم کو اس سے لپیٹ لیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان سے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص دی اور نماز جنازہ کی امامت کے لیے اٹھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا گاؤں پکڑا اور اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کی تاکید کی جو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تباہ کرنے کی کوشش میں کسی چیز سے باز نہیں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ آیت یاد دلائی جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر آپ منافقین کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ باب 980: توبہ آیت

ان کے لیے استغفار کرو، یا ان کے لیے استغفار نہ کرو۔ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار " کریں تو اللہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ "کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسے آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ باب 9 توبہ آیت 84

اور ان میں سے جو کبھی فوت ہو گیا ہو اس کی [نماز جنازہ] نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ”
ہو۔ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں ہی مرے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 46 تا 47 اور جامع ترمذی کی حدیث نمبر 3097 میں بحث ہوئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اپنے کامل ایمان کی وجہ سے ایسا سلوک کیا۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے

ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت کی کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی

ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

دوسروں کا دورہ کرنا

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، انہیں اسلام کی گہری سمجھ عطا کی گئی، یہ فہم صرف چند لوگوں کے درمیان ہے۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اکثر وحی الہی کے ذریعے ان کی رائے اور بیانات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایک فرشتہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 64 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غلام کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ غلام بغیر اجازت ان کے گھر میں داخل ہوا جبکہ عمر رضی اللہ عنہ سو رہے تھے اور ان کے جسم کا کچھ حصہ ننگا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کی زیارت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام و ممانعت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور آیت 58 نازل فرمائی:

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم میں سے وہ لوگ جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہیں اور جو ابھی تک "بلوغت کو نہیں پہنچے ہیں، وہ تین وقتوں میں تم سے اجازت طلب کریں: فجر کی نماز سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے الگ رکھو۔ آرام کے لیے [دوپہر کے وقت اور رات کی نماز کے بعد۔] یہ ہیں [آپ کے لیے رازداری کے تین اوقات۔]"

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ثواب کے حصول کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کی زیارت کے آداب اور شرائط کو پورا کرے۔ انہیں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے جس سے میزبان اور ان کے رشتہ داروں کو پریشانی ہو۔ اس دن اور عمر میں میزبان اور ان کے اہل خانہ سے پہلے سے رابطہ کرنا آسان ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ

مناسب وقت پر ان سے ملیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال اور گفتار پر قابو رکھیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں جیسے کہ گپ شپ، غیبت اور دوسروں کی غیبت سے بچیں۔ انہیں دنیا اور آخرت کے فائدے والے امور پر بحث کرنی چاہیے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اسے وہ ثواب ملے گا جو احادیث نبوی میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں یا تو کوئی اجر نہیں ملے گا یا پھر ان کے برتاؤ کے لحاظ سے گناہوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس نیک عمل کو انجام دینے سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 114

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم " دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

تمام برائی کی کلید

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، انہیں اسلام کی گہری سمجھ عطا کی گئی، یہ فہم صرف چند لوگوں کے درمیان ہے۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اکثر وحی الہی کے ذریعے ان کی رائے اور بیانات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایک فرشتہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 64 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ شراب کے بارے میں اپنا فیصلہ سب پر واضح کر دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت 219 نازل فرمائی:

وہ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں گناہ کبیرہ ہے اور لوگوں " کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا کو دہرایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے بالآخر باب 4 النساء آیت 43 نازل فرمائی:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ تم یہ نہ جان لو " کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اپنی دعا کو دہرایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے بالآخر باب 5 المائدة آیات 90-91 نازل کیا۔

اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں کے بدلے [اللہ کے سوا] اور طاغوت کے تیر شیطان کے ”کام سے ناپاک ہیں، اس لیے اس سے بچو ^{تاکہ} تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ نشہ اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے ”روکے۔ تو کیا تم باز نہیں آؤ گے؟“

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ پرہیز کریں گے۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 3049 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔

تتسیخ وہ عمل ہے جس کے ذریعے کچھ عرصے کے بعد ایک حکم یا ممانعت کو دوسرے حکم یا ممانعت سے بدل دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تکنیک کو استعمال کیا تاکہ ایک غیر مسلم سے مضبوط مسلمان کی طرف منتقلی کو ایک شخص کے لیے آسان بنایا جاسکے۔ اگر تمام حتمی احکام و ممنوعات کو ایک ہی بار میں مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے تو یہ عمل مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں شراب کو فوری طور پر حرام نہیں کیا گیا، کیونکہ شراب کو ایک ہی پل میں ترک کرنا زیادہ تر لوگوں کے لیے مشکل ہو جاتا تھا جو اسے پیتے تھے۔ اس کے بجائے اس کو مرحلہ وار ممنوع قرار دیا گیا، ان آیات کے ذریعے جن کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے۔

یہ عمل طبی ڈاکٹروں کی طرف سے بھی اختیار کیا جاتا ہے جو ادویات کی پوری خوراک سیدھے طریقے سے تجویز نہیں کرتے ہیں اور اس کے بجائے خوراک کو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھاتے ہیں تاکہ مریض ان کو مثبت انداز میں ڈھال سکیں۔ یہ حکمت عملی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور رحمت تھی، کیونکہ اسلام قبول کرنے والے لاتعداد لوگ اس کو رد کر دیتے اگر تمام حتمی احکام و ممنوعات نزول کے آغاز میں ایک ہی بار میں نازل ہو جاتے۔ جیسا کہ اس آیت کے آخری حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کام کا اختیار رکھتا ہے پھر بھی اس نے لوگوں کے لیے آسانی اور رحمت کا راستہ منتخب کیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ممنوعات اور احکام لوگوں کی زندگی کو مشکل بنانے کے لیے موجود نہیں ہیں۔ وہ صرف اس لیے موجود ہیں کہ لوگوں کو اس دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ پہنچائیں خواہ یہ فوائد لوگوں پر ظاہر نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، الکحل کے منفی اثرات، جو سائنس نے ثابت کیے ہیں، ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتے تھے جیسے کہ جسم کے اعضاء پر اس کے منفی اثرات۔ اسلام میں صرف لوگوں کو اس اور دیگر نقصانات سے بچانا غیر قانونی ہو گیا۔ اس کے علاوہ کسی چیز کو اس کی حکمتوں کو سمجھے بغیر قبول کرنا ایمان کا ایک پہلو ہے۔ اگر احکام و ممنوعات کی تمام حکمتیں ظاہر کر دی جائیں تو یہ مسلمانوں کو مکمل ایمان لانے کی اجازت نہیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ ان احکام و ممنوعات سے فائدہ نہیں اٹھاتا جو صرف لوگ کرتے ہیں۔

منسوخی کا یہ عمل درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کا ایک پہلو ہے تاکہ انسان دونوں جہانوں میں آسانی سے کامیاب ہو سکے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں، جسے سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں یعنی ان کے جسم، دماغ اور روح پر منفی اثر ڈالتی ہے۔

باب 5 المائدة، آیت 90

اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ”ناپاک ہیں، لہذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

حقیقت یہ ہے کہ شراب پینے کو اس آیت میں ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 68 کی ایک حدیث کے مطابق امن کے اسلامی سلام کو پھیلانا جنت کے حصول کی کلید ہے۔ پھر بھی، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی ایک حدیث مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام نہ کریں جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو۔

شراب

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف طریقوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں شراب خود، اسے بنانے والا، اس کے پیدا کرنے والا، جس کے لیے تیار کیا جاتا ہے، شامل ہیں۔ اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک پہنچایا جائے، وہ جو اسے بیچ کر حاصل کردہ مال کو استعمال کرے، اسے پینے والا اور اس کو ڈالنے والا۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

سچی ہدایت پر قائم رہنا

جب قرآن پاک کے بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اپنی رائے دینے سے گریز کیا اور اس کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کیا۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ ان سے قرآن مجید کی بعض آیات کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انہوں نے ان پر تبصرہ کیا لیکن مزید کہا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعبیریں سنی ہیں، ورنہ میں ان پر تبصرہ نہ کرتا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 84 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

علم کے لیے کوشش کرنا

مدینہ میں رہتے ہوئے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کی دوسری ذمہ داریاں انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل کرنے میں رکاوٹ نہیں بنیں گی۔ اس کا اور اس کے پڑوسی کا ایک انتظام تھا جس کے تحت ان میں سے کوئی ایک دن علم حاصل کرنے اور دوسرے کو سکھانے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا۔ اور اگلے دن دوسرا علم حاصل کرنے جاتا اور پھر پہلے والے کو سکھاتا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 87-88 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کی گہرے درجے کی مزید روشنی اس خواب میں ہوتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی الہی کی ایک شکل ہیں۔ خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا۔ اس نے اسے اس وقت تک پیا جب تک کہ اس کی نمی کو اپنی انگلیوں سے نکلتا ہوا نہ دیکھا۔ اس کے بعد اس نے بچا ہوا حصہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اس خواب کی تعبیر کرتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دودھ سے مراد علم ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3681 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ

اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے کا امکان کم ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

ایک سچا مومن

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے سوا سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اسے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی ذات سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔ آخر کار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اب وہ سچے مومن ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6632 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سب سے پہلے غور کرنے والی بات، عمر رضی اللہ عنہ کی دیانت ہے۔

دوسرے یہ کہ سچے عقیدے میں اخلاص شامل ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

دنیا سے لاتعلقی

ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی غربت کا مشاہدہ کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو پڑے۔ ان کے رونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جب دنیاوی بادشاہ دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی غربت کی زندگی گزار رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر آپ سے پوچھا کہ کیا آپ اس بات پر مطمئن ہیں کہ دنیا کے بادشاہ مادی دنیا کے مزے لیتے ہیں اور آخرت کی لذتیں حاصل کرتے ہیں؟ صحیح مسلم نمبر 3691 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سادہ طرز زندگی کی تقلید کی، حتیٰ کہ آپ کے دور خلافت میں بھی، جب دنیا آپ کے قدموں میں رکھ دی گئی۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مادی دنیا جس سے کسی کو لاتعلقی اختیار کرنی چاہیے دراصل اس کی خواہشات سے مراد ہے۔ یہ مادی دنیا کا حوالہ نہیں دیتا، جیسے پہاڑ۔ اس کی نشاندہی باب 3 علی عمران، آیت 14 سے ہوتی ہے

لوگوں کے لیے مزین ہے اس چیز کی محبت جس کی وہ خواہش کرتے ہیں - عورتوں اور بیٹوں کی، " سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے، عمدہ نشان والے گھوڑے، اور مویشی اور کھیتی والی زمین۔ یہ دنیوی زندگی کا مزہ ہے، لیکن اللہ کے پاس بہترین واپسی [یعنی جنت] ہے۔

یہ چیزیں لوگوں کی خواہشات سے جڑی ہوتی ہیں اور ان سے انسان آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی خواہشات سے پرہیز کرتا ہے تو وہ درحقیقت مادی دنیا سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں نہیں ہیں وہ اس کی باطنی خواہش اور اس سے محبت کی وجہ سے پھر بھی دنیا دار سمجھا جا سکتا ہے۔ جبکہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں ہیں، جیسا کہ بعض صالح پیشروؤں کی طرح، وہ مادی دنیا سے لاتعلق سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے دماغ، دل اور اعمال کی خواہش نہیں رکھتے اور ان پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ ابدی آخرت میں جھوٹ کی خواہش رکھتے ہیں۔

پرہیزگاری کا پہلا درجہ ناجائز اور فضول خواہشات سے منہ موڑنا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہے۔ یہ شخص آخرت پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں مصروف رہتا ہے۔ وہ ان چیزوں اور لوگوں سے منہ موڑ لیتے ہیں جو انہیں اس اہم کام کو پورا کرنے سے روکتے ہیں۔

پرہیز کا اگلا مرحلہ وہ ہے جب انسان اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی چیزیں لیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنا وقت ان چیزوں میں نہیں لگاتے جن سے انہیں اگلے جہان میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نصیحت ہے، آپ نے ایک مسلمان کو اس مادی دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ دونوں قسم کے لوگ مادی دنیا سے صرف وہی لیں گے جس کی انہیں ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی منزل یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔ ایک مسلمان یہ سمجھ کر حاصل کر سکتا ہے کہ ان کی موت اور آخرت کی روانگی کتنی قریب ہے۔ موت نہ صرف انسان پر کسی بھی وقت آ سکتی ہے بلکہ اگر کوئی لمبی عمر بھی گزارے تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک لمحے میں گزر گیا۔ اس حقیقت کا ادراک کر کے انسان ابدی آخرت کی خاطر لمحہ بہ لمحہ قربان کر دیتا ہے۔ اس مادی دنیا میں لمبی عمر کی امید کو مختصر کرنا انہیں اعمال صالحہ کرنے، اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور آخرت کی تیاری کو ہر چیز پر ترجیح دینے کی ترغیب دے گا۔ جو شخص لمبی عمر کی امید رکھتا ہے وہ اس کے برعکس رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دے گا۔

جو واقعی مادی دنیا میں پرہیزگار ہے وہ نہ اس پر الزام لگاتا ہے اور نہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ جب وہ اسے حاصل کرتے ہیں تو وہ خوش نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں جب وہ ان کے پاس سے گزر جاتا ہے۔ اس متقی مسلمان کا ذہن ابدی آخرت پر اتنا مرکوز ہے کہ چھوٹی مادی دنیا کو لالچ سے دیکھ سکے۔

پرہیز کئی مختلف سطحوں پر مشتمل ہے۔ بعض مسلمان اپنے دلوں کو ہر فضول اور فضول مشغلہ سے آزاد کرنے کے لیے پرہیز کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر پوری توجہ مرکوز کر میں موجود سنن ابن ماجہ نمبر 257 سکیں اور لوگوں کے تنہیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ حدیث کے مطابق ایسا سلوک کرنے والا یہ پائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دنیوی امور کی دیکھ بھال کے لیے کافی ہو گا۔ لیکن جس کو صرف دنیاوی چیزوں کی فکر ہے وہ ان کے وسیلے پر رہ جائے گا اور اسے تباہی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اس مادی دنیا کی زیادتی جیسے مال کی زیادتی کے پیچھے پڑے گا وہ یہ پائے گا کہ اس کا کم سے کم اثر ان پر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ اب بھی سچ ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کے حصول میں کوئی گناہ نہ کرے۔

کچھ لوگ قیامت کے دن اپنے احتساب کو ہلکا کرنے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کے پاس جتنی زیادہ چیزیں ہوں گی ان کا احتساب کیا جائے گا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ جس کے اعمال کی جانچ پڑتال کرے گا اسے قیامت کے دن سزا دی جائے گی۔ صحیح بخاری نمبر 6536 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جس کا احتساب جتنا ہلکا ہو گا اتنا ہی کم ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جس کے پاس بہت کچھ ہے وہ قیامت کے دن بہت کم نیکی کے مالک ہوں گے سوائے وقف کرنے والوں کے۔ ان کا مال و دولت ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، لیکن یہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ یہ لمبا احتساب یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خواہ امیر ہو یا غریب، قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ انہیں زمین پر ان کی زندگی کے دوران صرف ان کا روزانہ کا رزق دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4140 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

کچھ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی سے جنت کی خواہش سے پرہیز کرتے ہیں جو اس مادی دنیا کی لذتوں سے محروم ہونے کا باعث بنتی ہے۔

کچھ لوگ جہنم کے خوف سے مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ بجا طور پر اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جتنا زیادہ اس مادی دنیا کی زیادتی میں مبتلا ہوتا ہے وہ اتنا ہی ناجائز کے قریب ہوتا ہے جو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں اس کی سنن ابن تنبیہ کی گئی ہے۔ درحقیقت یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمبر 4215 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مسلمان۔ اس وقت تک پرہیزگار نہیں ماجہ بنیں گے جب تک کہ کسی ایسی چیز سے پرہیز نہ کریں جو گناہ نہیں ہے اس خوف سے کہ وہ گناہ کا باعث بن جائے۔

پرہیزگاری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو کچھ چاہتا ہے اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے جس کا تذکرہ پورے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرنا، یہ جانتے ہوئے کہ ان کا رب مادی دنیا کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا کی زیادتی کی مذمت کی ہے اور اس کی قدر کو حقیر قرار دیا ہے۔ یہ نیک بندے شرمندہ تھے کہ ان کا رب انہیں کسی ایسی چیز کی طرف مائل دیکھے جو اسے ناپسند ہے۔ یہ سب سے بڑے بندے ہیں کیونکہ یہ صرف اپنے رب کی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں دنیا کی حلال آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کے خزانوں کی پیشکش کے باوجود غربت کا انتخاب کیا۔ صحیح بخاری نمبر 6590 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انتخاب اس لیے کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہی چاہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مادی دنیا کو ناپسند فرمایا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی محبت میں اسے رد فرمایا۔ ایک سچا بندہ کس طرح اس سے محبت کر سکتا ہے جو ان کے رب کو ناپسند ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غربت کا انتخاب کر کے غریبوں کے لیے مثال قائم کی اور امیروں کو اپنے قول و فعل سے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ آسانی سے متبادل کا انتخاب

کر سکتا تھا اور عملی طور پر امیروں کو دکھا سکتا تھا کہ دنیا کے خزانوں کو لے کر زندگی کیسے گزاری جائے اور وہ اپنے قول و فعل سے غریبوں کو صحیح زندگی گزارنے کا طریقہ سکھا سکتا تھا۔ لیکن اس نے غربت کا انتخاب ایک خاص وجہ سے کیا جو اس کے رب العالمین کی بندگی سے باہر تھی۔ اس پرہیز کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنایا۔ مثال کے طور پر، اسلام کے پہلے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایک بار جب انہیں شہد کے ساتھ میٹھا پانی پلایا گیا تو رو پڑے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ایک غیر مرئی چیز کو دھکیل رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس کے پاس مادی دنیا آگئی ہے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ اسے تنہا چھوڑ دو۔ مادی دنیا نے جواب دیا کہ وہ مادی دنیا سے بھاگ گیا ہے لیکن اس کے بعد والے ایسا نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کو شہد سے میٹھا دیکھ کر رو پڑے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ مادی دنیا انہیں گمراہ کرنے کے لیے آئی ہے۔ یہ واقعہ امام اشفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 47 میں درج ہے۔

درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لذت حاصل کرنے کے لیے نہ کبھی کھایا اور نہ لباس پہنا بلکہ مادی دنیا سے صرف وہی لیا جو ان کی ضرورت تھی اور آخرت کی تیاری پر توجہ دی۔ جب مادی دنیا ان کے قدموں پر رکھ دی گئی تو وہ اس خوف میں مبتلا تھے کہ شاید ان کا اجر انہیں آخرت کے بجائے اس دنیا میں مل گیا ہے۔

جو بھی واقعی پرہیزگار ہے وہ ان کے نقش قدم پر چلے گا۔ مسلمانوں کو اس مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو بیوقوف نہیں بنانا چاہیے جب کہ یہ دعویٰ کریں کہ ان کا دل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ اگر کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو یہ اس کے اعضاء اور اس کے اعمال میں ظاہر ہوتا ہے جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کا دل اللہ تعالیٰ سے لگا ہوا ہے وہ اس سے پہلے صالحین کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ انہیں مادی دنیا کی ضرورت ہے، صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا، اور آخرت کی تیاری کے لیے کوشش کرتے ہوئے مادی دنیا کی زیادتی سے منہ موڑنا۔ یہ حقیقی پرہیزگاری ہے۔

دوسروں کی دیکھ بھال کرنا

طلحہ بن عبید اللہ نے ایک دفعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو رات کو چپکے سے گھر سے نکلتے دیکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیچھے گئے اور دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر بعد اس سے نکل گئے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ اگلے دن گھر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ خفیہ طور پر ایک غریب اور بوڑھی نابینا عورت کی روزمرہ کے کاموں میں مدد کر رہے تھے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 71 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس میں دوسروں کی مدد کرنے کی تمام اقسام شامل ہیں نہ صرف مالی امداد۔ دوسروں کی ہر قسم کی حلال حاجت کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کیا جائے اور اگر کسی مسلمان کو معلوم ہو کہ وہ یہ امداد نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ اس ضرورت مند کو کسی ایسے شخص کے پاس پہنچا دیں جو ان کی مدد کرے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انہیں وہی اجر ملے گا جو ضرورت مند کی مدد کرنے والے کو ملتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2671 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خلوص نیت سے دوسروں کی ایسے طریقوں سے مدد کریں جس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان کو فائدہ پہنچے، لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ طلب کیے بغیر، کیونکہ یہ صرف ان کے اجر کو منسوخ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی مسلمان اپنی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا خواہاں ہے تو اسے ضرورت کے وقت دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی مدد کرنے سے منہ موڑتے ہیں وہ اپنی ضرورت کے وقت پھنسے ہوئے رہ سکتے ہیں۔

اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو نعمتوں میں اضافہ ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔

اس کا ایک پہلو ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہے جو کسی کے پاس ہے جیسا کہ اچھی نصیحت۔

کسی کو ایک اہم نکتہ سمجھنا چاہئے جو انہیں فخر کرنے سے روکے گا۔ یعنی جو مدد وہ ضرورت مندوں کو دیتے ہیں وہ فطری طور پر ان کی نہیں ہوتی۔ یہ تخلیق کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس لیے انہیں ضرورت مندوں کی مدد کر کے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ درحقیقت ضرورت مند اپنے مددگار کا احسان کرتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ اگر کوئی ضرورت مند نہ ہوتا تو لوگ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے اس طریقے سے محروم ہو جاتے۔

درست طریقے سے ترجیح دینا

ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کے دوران چھوڑ دیا تاکہ مدینہ منورہ پہنچنے والے تجارتی قافلے کی طرف متوجہ ہوں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو آپ کے ساتھ رہے۔ پھر: سورة الجمعة کی آیت نمبر 62 نازل ہوئی:

لیکن [ایک موقع پر] جب انہوں نے کوئی لین دین یا موڑ دیکھا تو وہ اس کی طرف بھاگے اور آپ کو "کھڑا چھوڑ دیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ مواخذہ اور لین دین سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2000 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ یہ کوئی گناہ بھی کم نہیں تھا، لیکن یہ اس صحیح آداب کے خلاف ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 62

مومن صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مشترکہ مفاد کے لیے اس سے ملاقات کرتے ہیں تو اس وقت تک وہاں سے نہیں نکلتے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لیں۔ درحقیقت جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت طلب کرتے ہیں، وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام کی وجہ سے آپ سے اجازت طلب کریں تو ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنا مفید علم میں اضافے کا باعث بنے گا۔ یہ تجارت اور موڑ سے بہتر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنی حلال روزی کو ترک کر دے، بلکہ انہیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف جھکتے ہوئے دونوں کے درمیان توازن قائم کرنا چاہیے۔ اس طرز عمل سے دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیاوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیاوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے

والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیر ضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیاوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیاوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر رہنمائی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تبصرہ فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رہیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اپنے پیچھے آنے والوں کی پیروی کرنے کا حکم دیا اور پھر حضرت ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 97 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

وہ دونوں قیادت کے لیے موزوں تھے کیونکہ دونوں نے مثال کے طور پر قیادت کی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3

”اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

لہذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں
پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام
کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

مضبوط ایمان

غور طلب بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی الہی کی ایک قسم ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ لوگوں کے ایک گروہ کو مختلف طوالت کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض نے ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو ان کے سینے تک پہنچے اور بعض نے اس سے نیچے تک۔ پھر اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو اتنا لمبا لباس پہنے ہوئے تھے کہ وہ اپنے پیچھے گھسیٹ رہا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کی تعبیر بتائی اور اشارہ کیا کہ لباس کسی کے ایمان کی نمائندگی کرتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6189 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس خواب نے عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی یقین دہانی کرائی۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین

کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کر کے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

:ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے

”جس دن وہ (قیامت کے دن (کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی “
”نہیں رہے تھے۔“

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہذا انسان کو ان الہی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ “
”حق ہے۔“

جنت کی چابی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جو بھی گواہی دے اس کو اپنے دل میں یقین کے ساتھ جنت کی بشارت دو کہ اس کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیحت کی کہ اس کو نہ پھیلائیں کیونکہ لوگ سستی کا شکار ہو جائیں اور ایمان کے اعلان پر بھروسہ کرنے کے بجائے سخت محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 147 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ حدیث دراصل یہ واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کیے بغیر اسلام پر یقین کے ساتھ ایمان نہیں لا سکتا لیکن انہیں اس بات کی فکر تھی کہ لوگ حدیث کی غلط تشریح کریں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص محض دعویٰ کر سکتا ہے۔ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیے بغیر اسلام پر ایمان۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث ہیں جو بنی نوع انسان کو نصیحت کرتی ہیں کہ جو شخص گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں، جہنم کی آگ سے بچ جائیں گے۔ ایسی ہی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 128 میں موجود ہے۔

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اس گواہی پر ایمان لاتے ہوئے مرے گا وہ یا تو جنت میں جائے گا اور جہنم سے بچ جائے گا یا وہ اپنے گناہوں کی حد تک جہنم میں داخل ہوں گے اور پھر آخر کار جنت میں داخل ہو جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ صحیح بخاری نمبر 7510 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جو لوگ جہنم میں داخل ہوئے بغیر جنت میں داخل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں انہیں نہ صرف زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا اعلان کرنا چاہیے بلکہ اس کی شرائط اور فرائض کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ ایمان کی گواہی بلاشبہ جنت کی کنجی ہے لیکن ایک مخصوص دروازے کو کھولنے کے لیے چابی کو دانتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنت کی کنجی کے دانت اس کے فرائض اور فرائض ہیں۔ ان کے بغیر معنی، دانتوں کے بغیر چابی، جنت کا دروازہ نہیں کھولے گی۔ یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے جو کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے اسلام کی شرائط اور فرائض کو پورا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1397 میں موجود ایک حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گواہی کی تائید اسلام کے ستونوں کی شکل میں ہونے والے اعمال سے ہونی چاہیے، جیسے کہ فرض نماز۔

گواہی کا پہلا حصہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہی واحد ہے جس کی اطاعت لازم ہے اور کبھی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود تسلیم کرتا ہے تو اسے کسی ایسی چیز کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے جو اس کی نافرمانی کا باعث بنتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا مالک ہے اور وہ صرف اس کے بندے ہیں۔ لیکن جس لمحے کوئی ایسی بات مانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہے تو انہوں نے اس کی وحدانیت پر اپنے اعتقاد کو خراب کر دیا جس کی طرف باب 45 الجثیہ آیت 23 میں اشارہ کیا گیا ہے

”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟“

قرآن کریم نے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ درحقیقت شیطان کی عبادت کرتا ہے جیسا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اس کی اطاعت کی ہے۔ باب 36 یاسین، آیت 60

اے بنی آدم کیا میں نے تم کو یہ وصیت نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ ”تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

وہ مسلمان جو اپنی خواہشات، دوسروں کی خواہشات اور شیطان کے احکام کو ٹھکرا کر صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، انہوں نے واقعی اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا معبود بنا لیا ہے۔ ان مسلمانوں کو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت عطا کی گئی ہے۔ ان مسلمانوں نے عملی طور پر اسلام کی گواہی کو عملی جامہ پہنایا ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق مخلصانہ عمل کے ساتھ اپنے زبانی اور باطنی دعوے کی تائید کی ہے۔ جب کوئی اپنی روایات کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس نے گواہی کے دوسرے پہلو کو پورا کیا ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جن کا ذکر صحیح بخاری نمبر 128 میں موجود حدیث میں ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔

جو شخص زبان سے اسلام کا اعلان کرتا ہے اور باطنی طور پر اسے قبول کرتا ہے وہ بلاشبہ مسلمان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ان کا سچا ایمان ان کے گناہوں کے حساب سے ماند پڑ جاتا ہے۔

گواہی پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ محبت کرنا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص ان چیزوں سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔ چونکہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، سنن ابن ماجہ نمبر 2333 میں موجود ایک حدیث کے مطابق مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

اسلامی تعلیمات سے یہ بات واضح ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اسے ناپسند کرتا ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اسے ناپسند کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوپر ان کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کو کم کر دیتا ہے۔ درج ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اس ذہنیت کو اختیار کرنا: اسلام کی گواہی کے حقیقی عقیدہ سے انحراف ہے۔ باب 9 توبہ آیت 24

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے رشتہ دار، وہ مال ” جو تم نے حاصل کیا ہے، وہ تجارت جس کے زوال کا تمہیں ڈر ہے، اور وہ مکانات جن سے تم خوش ہو، تمہیں اس سے زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرتے رہو، پھر ”انتظار کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نافذ نہ کر دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اپنی خواہشات کے مطابق اس کی عبادت کنارے پر کرتا ہے۔ یعنی جو جب ان پر آسانی ہوتی ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں لیکن جب ان پر مشکلات آتی ہیں تو غصے میں اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ” ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا “اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود ایک حدیث مسلمانوں کو بتاتی ہے کہ کس طرح صحیح طریقے سے ایمان اور ایمان کی گواہی پر عمل کیا جائے جو کہ اگلے جہان میں جہنم کی آگ سے نقصان پہنچنے سے بچ جائے۔ یہ سب سے پہلے فرض کے فرائض کو ان کی تمام شرائط اور آداب کو پورا کرتے ہوئے صحیح طریقے سے ادا کرنا ہے۔ پھر اس میں رضاکارانہ طور پر اعمال صالحہ کا اضافہ کرنا چاہیے، جن میں سے سب سے افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ روایات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان کے جسم کے ہر عضو کو طاقت بخشتا ہے تاکہ وہ صرف اس کی اطاعت کریں۔ یہ سچی اور مخلصانہ اطاعت ایمان کی شہادت کی تکمیل ہے۔ یہ وہ دل ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور دنیاوی خواہشات اور مادی دنیا کی محبت سے پاک ہے۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ”ساتھ آتا ہے۔“

غور طلب ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے سچے دل سے توبہ کرتا ہے جب بھی وہ شاذ و نادر ہی سرزد ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی گواہی نہ صرف داخلی اور زبانی طور پر بیان کریں بلکہ اپنے عمل میں بھی اس کا اظہار کریں کیونکہ یہی دنیا میں حقیقی کامیابی اور آخرت میں عذاب سے مکمل طور پر بچنے کا واحد راستہ ہے۔

برائی کے اثرات کو کم کرنا

صحیح بخاری نمبر 3294 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جو بھی راستہ اختیار کیا، شیطان اس کے خوف سے دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔ شیطان کے اس طرح چلنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر بہت کم تھا۔ شیطان جسمانی طور پر کسی کو گناہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کے بجائے وہ سرگوشیوں کے ذریعے انہیں ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن ان کے کارآمد ہونے کے لیے وہ ایک شخص کو کسی نہ کسی طرح کی دنیاوی خواہشات کا حامل ہونا چاہتا ہے۔ پھر وہ اپنی سرگوشیوں کے ذریعے اس دنیاوی خواہش کے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے یہاں تک کہ یہ انسان کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور اس طرح گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر شیطان کا بہت کم اثر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے دل سے دنیاوی خواہشات نکال دی تھیں۔ اس کی صرف خواہشات اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے سے وابستہ تھیں۔ اس لیے اگر مسلمان شیطان کے اثر کو کم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے دل سے غیر ضروری خواہشات کو نکال دینا چاہیے۔ یہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس مادی دنیا کے اضافی اور غیر ضروری پہلوؤں میں ملوث ہونے سے باز رہے۔ وہ جتنا زیادہ یہ کام کریں گے اتنا ہی یہ دنیاوی خواہشات ان کے دل سے نکل جائیں گی یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں وہ اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ شیطان اس شخص سے بھاگ جائے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا ان پر بہت کم اثر پڑے گا۔ لیکن اس مادی دنیا کے غیر ضروری پہلوؤں میں جتنا زیادہ مشغول ہو گا وہ اتنی ہی زیادہ دنیاوی خواہشات کا مالک ہو گا اور اس لیے شیطان کا ان پر اتنا ہی اثر ہو گا۔

اللہ کے لیے محبت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے، آپ نے اپنی بیوی کا نام عائشہ رضی اللہ عنہا رکھا۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے تو آپ نے اپنے والد کا نام ابوبکر رکھا اور ان کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا۔ صحیح بخاری نمبر 3662 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

آج کل کے اکثر لوگوں کے برعکس، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے محبت کرتے تھے۔ یعنی اس کی محبت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی نہ کہ دنیاوی اسباب کے لیے۔

صحیح مسلم نمبر 6548 میں موجود ایک الوبی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان دو لوگوں پر سایہ فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ روز محشر

اللہ تعالیٰ ان دونوں لوگوں کو اس دن سایہ عطا فرمائے گا جب سورج کو مخلوق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر لوگ گرمیوں میں سورج کی تپش کا مقابلہ کرنے کے لیے جدوجہد کریں تو کیا قیامت کے دن گرمی کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟

خدائے بزرگ و برتر کے لیے محبت اس قدر ثواب کا باعث بنتی ہے کہ اس جذبے پر قابو پانا بہت مشکل ہے۔ اور جس کو اس پر قابو پانے کی سعادت حاصل ہو گی وہ اسلام کے فرائض سیدھے آگے پورا کرتا ہوا پائے گا۔ ان فرائض میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ اسی وجہ سے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کو ایمان کی تکمیل کا پہلو قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنا، دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ یہ عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر ہونا چاہیے، معنی کے مطابق دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا نہ صرف انعام کو منسوخ کرتا ہے بلکہ ان کی بے وفائی کو بھی ثابت کرتا ہے کیونکہ وہ صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کا منفی احساس، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت کرنا شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ حقیقت میں مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

سچائی کو مجسم کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو زبان پر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈال دیا ہے۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 3682 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

لالچ سے بچنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کچھ مال بطور تحفہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی کہ اس کے بدلے اس کو دے دیں جو ان سے زیادہ غریب ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لینے کا حکم دیا اور مزید فرمایا کہ اگر کوئی اسے کچھ دے تو اس نے نہ مانگا اور نہ ہی اس کی امید رکھی۔ اور جو چیز اس کے پاس نہ آئے اس کی تلاش نہ کرے۔ صحیح مسلم نمبر 2405 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ لالچ سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 2511 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو لالچ سے خبردار کیا۔ یہ فرض صدقہ کو روکنے کی طرف لے جا سکتا ہے جو دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا ہو گا جو قیامت کے دن اسے مسلسل ڈستا رہے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز یہ "نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ... گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا"

اگر کسی کا لالچ اسے رضاکارانہ صدقہ دینے سے روکتا ہے تو یہ غیر قانونی نہیں ہو سکتا لیکن یہ انتہائی ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ ایک سچے مومن کی خصوصیت سے متصادم ہے۔ سیدھے الفاظ میں کنجوس شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

ہجرت کے بعد دوسرا سال

بدر کی جنگ

اسٹینڈنگ فرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی رائے دریافت کی کہ کیا کیا جائے؟ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 259-260 میں بحث کی گئی ہے۔

اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور ہر حال میں آپ کی حمایت کا عہد کیا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حوصلہ دیا۔ انہیں، ایسا کرنے کے لئے۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور وہی کام کیا: انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا عہد کیا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 93-94 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دینے والے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69

”اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔“

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ، منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت کا عطیہ کرنا، وہ غائب نظر آتا ہے۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62

تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر وہ ”اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔“

ایمان میں غیر سمجھوتہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جنگ ختم ہونے اور غیر مسلموں کی شکست کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کی لاشوں کو ایک پرانے کنویں میں رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس نے کنویں میں موجود لوگوں کی گنتی کرتے ہوئے ان کو پکارا اور پوچھا کہ کیا انہوں نے وہ چیز پا لی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں وہی دیا گیا ہے۔ جب اس سے میت کو پکارنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ اس کی باتیں سن سکتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 300 میں بحث کی گئی ہے۔

اس جنگ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں العاص بن ہاشم کا مقابلہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 93-94 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے اخلاص اور وفاداری پر کسی تعلق کو غالب آنے نہیں دیا۔ اگر مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو یہ غیر سمجھوتہ کرنے والا رویہ اپنانا چاہیے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا ”والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے بحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

سچا پیار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد کچھ جنگی قیدی بنائے گئے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ ان کا اسلام قبول کرنا ان کے لیے اس سے زیادہ خوش ہو گا جتنا کہ ان کے والد کے اسلام قبول کرنے سے، کیونکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 307-308 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیان کردہ احکام و ممنوعات کو ترجیح دے گا۔ اس پر، ان کی اپنی خواہشات اور آراء پر۔ باب 9 توبہ آیت 24

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے رشتہ دار، وہ مال جو تم نے حاصل کیا ہے، وہ تجارت جس کے زوال کا تمہیں ڈر ہے، اور وہ مکانات جن سے تم خوش ہو، تمہیں اس سے زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرتے رہو، پھر "انتظار کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نافذ نہ کر دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

انسان صرف ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے جن کا ذکر اس آیت میں ان سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی ان چیزوں پر اسلام کی اطاعت کا انتخاب کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ثابت ہوتی ہے۔ ایک سچا عاشق صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کی اطاعت کرے اور اسے ہر وقت راضی رکھے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب ایک مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے۔

ہجرت کے بعد تیسرا سال

جنگ احد

مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد احد پہاڑ کی طرف بحفاظت واپس چلے گئے تو ابو سفیان نامی غیر مسلم رہنما نے انہیں پکار کر دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما قتل ہوئے یا نہیں؟ ابو سفیان سمجھ گیا کہ اسلام کا تسلسل ان عظیم ہستیوں پر منحصر ہے۔ ابتدا میں، کسی نے بھی اس کا جواب نہیں دیا جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خاموش رہنے کو کہا تھا۔ لیکن جب ابو سفیان نے اس واقعہ پر فخر کرنا شروع کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے اور اسے ڈانٹا۔ ابو سفیان نے پھر انہیں بتایا کہ ان کے سپاہیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشیں مسخ کر دی ہیں، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن ان کا یہ عمل آپ کو ناگوار نہیں ہوا۔ ابو سفیان نے فخر کیا کہ یہ جنگ بدر کی جنگ کا بدلہ کیسے تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان سے غلطی ہوئی کہ مارے جانے والے غیر مسلم جہنم میں تھے جب کہ شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہ۔ وہ جنت میں تھے۔ روانگی سے پہلے ابو سفیان نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

چیلنج کیا کہ اگلے سال بدر میں دوبارہ جنگ کریں، جسے بعد میں قبول کر لیا۔ غیر مسلم فوج کے جانے کے بعد علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو خفیہ معلومات اکٹھی کرنے اور اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا گیا کہ غیر مسلم فوج مکہ کی طرف جا رہی ہے یا مدینہ پر حملہ کرنے جا رہی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے تو وہ وہاں کوچ کریں گے اور ان سے جنگ کریں گے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کے بعد، انہوں نے صورت حال کا اندازہ لگایا کہ وہ اپنے گھر مکہ جا رہے ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 281-282 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

مشکلات میں اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مدینہ واپس تشریف لائے تو انہیں معلوم ہوا کہ مکہ کے غیر مسلم قائدین مدینہ کو مٹانے کے لیے واپس مدینہ کی طرف کوچ کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ اسلام خیر کے لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے سخت زخموں اور تھکے ہوئے جسموں کے باوجود غیر مسلموں کے تعاقب میں نکلنے کا حکم دیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مثبت جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے باب 3 آل عمران آیت 172 نازل فرمائی:

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی طرف لبیک کہا ان پر چوٹ لگ گئی۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی " کی اور اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 67-68 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب: الحج، آیت 11 22

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی " ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا "اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

ایک مناسب شریک حیات

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے شادی کی ممکنہ تجویز پر تبادلہ خیال کیا۔ مؤخر الذکر نے بالترتیب اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ شادی کرنے کی صحیح پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے بعد عمر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شادی کی تجویز پر تبادلہ خیال کیا، جنہوں نے فوری جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور شادی کی۔ ابوبکر نے پھر عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ انہوں نے شروع میں کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس معلومات کو ظاہر کرنے کے بجائے اس نے فوری جواب نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ سنن نسائی نمبر 3261 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے کہ ان کی بیٹی کی شادی ایک ایسے مسلمان سے ہو جو اس کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کوشش کرے۔ مسلمانوں کو اپنے لیے یا اپنے زیر کفالت افراد کے لیے شریک حیات تلاش کرتے وقت اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ مناسب شریک حیات اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی اسلام کی ہدایت پر عمل کرے۔

مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے: مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں

کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو یہ خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے جو شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے پاس تھے۔ صرف خوبصورتی کے معنی کی خاطر شادی کرنا، محبت عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک چبھتا ہوا جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ قیاس محبت میں ٹوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں میں گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقیوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ علم صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

ہجرت کے بعد چوتھا سال

بنو نضیر

بدلہ لینا چھوڑنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے علاقے اور حفاظت سے نکل جائیں۔ منافقین نے بنو نضیر کو ٹھہرنے کی تلقین کی اور ان کی حمایت کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاحمت کی تو وہ ان کا ساتھ دیں گے، اگر بنو نضیر لڑے تو وہ ان سے لڑیں گے اور اگر انہیں علاقے سے نکال دیا گیا تو وہ ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔ انہیں اس نے بنو نضیر کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ آخر کار منافقین نے کچھ نہیں کیا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کا خون بہا دیں اور ان کو محفوظ راستہ دیں تاکہ وہ اپنے سامان سمیت علاقہ خالی کر سکیں۔ بنو نضیر سے ان کے مذموم منصوبے کا بدلہ لینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ بھی اٹھا سکتے تھے لے جانے کی اجازت دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد "سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... "دے؟

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

دوسری بدر

جنگ احد سے نکلنے سے پہلے، غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے اگلے سال بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کے دوبارہ ملنے کے لیے ملاقات کا اعلان کیا۔ جب وقت آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً 1500 سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا اور بدر کے مقام پر غیر مسلموں کا انتظار کرنے لگے۔ غیر مسلم فوج تقریباً 2000 سپاہیوں پر مشتمل تھی لیکن اس نے بدر سے دور کیمپ قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی اور اگرچہ اس نے خود ملاقات کا وقت مقرر کیا، ابو سفیان نے سپاہیوں کو مکہ واپس جانے کی ترغیب دی۔ چونکہ وہ مسلمانوں کو مشغول کرنے سے خوفزدہ تھے، انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی اور مکہ واپس آگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں رہے اور کسی نفع بخش تجارت میں مشغول رہے۔ آٹھ دن کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے اس ہیبت اور سربلندی کے ساتھ روانہ ہوئے جو اہل عرب کے دلوں میں پھیل گئی تھی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 306-307 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کی استقامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی نفسیاتی فتح عطا فرمائی جس کی بازگشت پورے عرب میں فوجی فتح سے زیادہ تھی۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے

بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69

”اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔“

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ہجرت کے بعد پانچواں سال

جنگ احزاب

ایک ایگزٹ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اسے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم لشکر سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی کو اس جنگ کی طرف روانہ کیا۔ غیر مسلم فوج جس نے ان کے کیمپ کو مکمل طور پر اکھاڑ پھینکا اور انہیں پریشانی اور پریشانی میں ڈال دیا۔ غیر مسلموں نے گھر واپس آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ موسم ان کے خلاف تھا اور وہ خندق میں کامیابی

کے ساتھ داخل ہونے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 154-155 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلم فوج کے جانے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دشمن کے کیمپ سے معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا لیکن انہیں تنبیہ کی کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے توجہ مبذول ہو۔ اپنے آپ کو دشمن کے کیمپ میں پہنچ کر اس نے غیر مسلم رہنما ابو سفیان کو دیکھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کمان لاد لیا اور ابو سفیان پر گولی چلانے ہی والے تھے لیکن جب انہیں دیا گیا حکم یاد آیا تو اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس نے خفیہ طور پر غیر مسلموں کی ایک مجلس میں شرکت کی اور معلوم کیا کہ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنے اور واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان کے پاس سامان ختم ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہوا ان پر تباہی مچا رہی تھی۔ مسلمانوں کی کھودی گئی خندق میں گھس نہ سکے۔ اس پر امام محمد السلابی کی کتاب، نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1383-1384 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الہی ادراک لامحدود ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2

”اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔“

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

بنو قریظہ

غدارى

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غدارى کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس دن اور دور میں بھی، غدارى کے لیے سزائے موت ایک بہت ہی معیاری فیصلہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کا جرم کسی ایک فرد کے خلاف نہیں بلکہ لوگوں سے بھرے پورے شہر کے خلاف تھا۔ اگر ان کو جلاوطن کر دیا جاتا تو وہ صرف مدینہ سے دوبارہ جنگ کرتے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے انتقام لیتا ہے جو اپنے کمزور بندوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دفاع اور انتقام کی طاقت نہیں رکھتے۔

جو مسلمان اس نام الہی کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم نہیں کرے گا، خاص کر ان لوگوں پر جو بے دفاع دکھائی دیتے ہیں کیونکہ حقیقت میں ان کا محافظ اور بدلہ لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کی زمین پر زندگی کے دوران اور خاص طور پر قیامت کے دن کہ وہ ان کے اعمال صالحہ کو اس کے بدلہ لے گا۔ وہ ظالم کو مجبور کر کے انصاف قائم کرے گا شکار کے حوالے کرے اور اگر ضروری ہوا تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کے سپرد کر دیے جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے اندر کے شیطان سے انتقام لیتے ہوئے اس نام الہی پر عمل کرنا چاہیے جو اسے اللہ تعالیٰ کی سخت اطاعت کے تابع کر کے برائی کی طرف ترغیب دیتا ہے، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اور ایک مسلمان کو ان تمام چیزوں کا بدلہ لینا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتی ہیں، ان سے منہ موڑ کر۔

ہجرت کے بعد چھٹا سال

آگ کی دو زبانیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آ رہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے ارد گرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو مزید خلل ڈالنے کا دعویٰ کر کے یہ دعویٰ کیا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی اقدام نہیں کیا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون آیت نمبر 63 نازل فرمائی۔

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو جب تک کہ وہ منقطع نہ ہو جائیں۔ "اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس آئے تو جتنا زیادہ عزت دار [اقتدار کے لیے] زیادہ عاجز کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور "مومنوں کے لیے لیکن منافق نہیں جانتے۔"

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر تسلی دی اور فرمایا کہ یہ وہی ہے جس نے اپنا کان اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213-215 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو 4204 زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 14

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے "ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختلاف اور مسائل پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ ایک مرتبہ ان کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی جو کہ ایک وفادار صحابی تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے منافق باپ کو اس کی غداری کے برے کام پر قتل کرنے کی پیشکش کی۔ مدینہ شہر اور اس کے قائد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے بجائے اپنے والد، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ مدینہ کے لوگوں نے یہ سننے کے بعد عبداللہ بن ابی جب بھی برا سلوک کیا تو وہ اکثر ان پر تنقید کرتے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرمایا جنہوں نے عبداللہ بن ابی کو غداری کے جرم میں پھانسی دینے کا مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھانسی کا حکم دیں۔ اس سے پہلے تو کچھ لوگ اس کے حق میں کھڑے ہو جاتے تھے جبکہ اب اگر وہ اسے پھانسی کا حکم دیتے تو لوگ اس پر عمل کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا فائدہ خود کو ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے
:جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے
...تھے

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل
کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری
نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ
بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن
وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں
معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی
اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو
جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم
کرے کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت،
:آیت 6

“..اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے”

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہتان - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

چیزوں کو جانے دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ المصطلق۔ آپ کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس نے پھر اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک وہ اسے نہ ملا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی ہوئی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن المطلق رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اللہ کے بعد، عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بہتان سے بری الذمہ قرار دیا گیا، ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اب وہ اپنے رشتہ دار کی مالی مدد نہیں کریں گے جس نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد باب 24 النور، آیت 22 نازل کی، جس میں اسے اور تمام مسلمانوں کو دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے اور نظر انداز کرنے کی ترغیب دی گئی:

اور تم میں سے نیک اور مال والے قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی " راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے اور وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند "نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اعلان واپس لے لیا اور اپنے رشتہ دار کی مدد کرتے رہے۔ جامع ترمذی نمبر 3180 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توبین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ

مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔

معابدہ حدیبیہ

حق کا ساتھ دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت (عمرہ) کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت (عمرہ) کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کرنا چاہا تاکہ تصادم سے بچا جا سکے اور اپنے پر امن ارادے کو واضح کر سکیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں، کیونکہ ان کے مسلمان ہونے کے بعد سے ان کے ساتھ بہت سخت رویہ رکھنے کی وجہ سے غیر مسلم ان سے ناراض تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سفارش قبول فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اہم کردار کو بطور سفیر قبول کر سکتے تھے جس سے ان کی برتری واضح ہوتی۔ لیکن سچائی کے ساتھ وفاداری اور خلوص کی وجہ سے اس نے اس کردار کے لیے زیادہ موزوں شخص کی سفارش کی۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5: المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹتے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ

لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ صحیح کام یہ تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ نامزد کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت (عمرہ) کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت (عمرہ) کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پر امن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام پہنچانے کے بعد انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے حراست میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ جب تک وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام نہیں لیں گے وہ مکہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ نہ صرف غیر مسلح ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سفیروں کے ساتھ ہمیشہ احترام کا سلوک کیا گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچانا اعلان جنگ ہے۔ یہ اس دن اور عمر میں بھی سچ ہے۔ بیعت کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے میں رکھا اور فرمایا کہ اس کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی نمائندگی کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ مبعوث اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل کیں، جیسے باب 48 الفتح، آیت 10

درحقیقت جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر ” اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس جو اس کی بات کو توڑتا ہے وہ اسے اپنے ہی نقصان کے لیے توڑتا ہے۔ اور جس نے اللہ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے گا تو اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔

:اور باب 48 الفتح آیت 18

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی، اور وہ ” جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا تھا، اس لیے اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلد فتح سے نوازا۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227-228 اور صحیح بخاری نمبر 4066 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

انسانیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کریں، جس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف آیت نمبر 172 میں آیا ہے

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ” ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آتی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے حد مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا نہ صرف ایمان کے معاملات میں تمام مسائل میں اہم ہے کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان

لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ممبروں کے درمیان پچر پیدا کرے گا جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا پردہ فاش کرنا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جسے کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین مسلمان کو اس دنیا میں اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ ”حق ہے“۔

باقی فرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت (عمرہ) کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت (عمرہ) کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال عمرہ نہیں کریں گے بلکہ اگلے سال واپس تشریف لے جائیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان حالات سے راضی نہیں تھے کیونکہ وہ ظاہری طور پر مکہ کے غیر مسلموں کے حق میں نظر آتے تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اس معاملے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور بعد میں نے اعلان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے اور اپنے مشن کو کبھی ناکام نہیں ہونے دیں گے۔ ناکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 228-229 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا، پھر بھی انہوں نے ضد نہیں کی بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ

رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی) گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف“ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ایک واضح فتح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت (عمرہ) کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت (عمرہ) کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد آخر کار مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھی جو ظاہری طور پر غیروں کے حق میں تھیں۔ مکہ کے مسلمان۔ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر زیارت (عمرہ) (کئے مدینہ واپس آگئے جو کہ معاہدہ کا حصہ تھا۔ دس سال تک جاری رہنے والا یہ معاہدہ حقیقت میں مسلمانوں کے حق میں رہا۔ اس معاہدے سے پہلے جب بھی مسلمان اور غیر مسلم آپس میں ملتے تھے تو اکثر اس پر کسی نہ کسی قسم کی لڑائی ہوتی تھی لیکن جب معاہدہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی تو جب بھی یہ لوگ ملتے تھے صرف بات چیت کرتے تھے۔ جب غیر مسلموں کو اسلام کی وضاحت کی گئی تو وہ اسے قبول کرنے لگے۔ اسلام اگلے دو سالوں میں اس سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں داخل ہوا جتنا اس نے اپنے آنے کے بعد پچھلے تمام سالوں میں کیا۔ اس واضح فتح کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم کیا، جس نے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد باب 48 الفتح نازل کیا۔ باب 48 الفتح، آیت 1

”بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح دی ہے“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

برسوں بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ اسلام میں حدیبیہ کے معاہدے سے بڑی کوئی فتح نہیں۔ اگرچہ اس وقت لوگوں کو اس کے ثمرات کا احساس نہ تھا لیکن ان کی کم نگاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بتدریج فتح کا منصوبہ بنایا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ حجۃ الوداع کے دوران انہوں نے سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور اطاعت کا مشاہدہ کیا جنہوں نے بالآخر اسلام قبول کیا، حالانکہ معاہدہ حدیبیہ کے دوران اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی تھی۔ اس پر ہو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر اسلام قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم فتح پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔

یہ فضیلت اور کامیابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لیے عطا ہوئی کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے اخلاص کے ساتھ اطاعت گزار رہے۔ وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

شیطانی سازشیں ناکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت (عمرہ) کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت (عمرہ) کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرائیں لیکن کچھ شرائط رکھی گئیں، جو ظاہری طور پر سب کے حق میں نظر آئیں۔ مکہ کے غیر مسلم ان میں سے ایک یہ تھا کہ مکہ سے اسلام قبول کرنے والا اگر کوئی مدینہ فرار ہو جائے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ مکہ کے غیر مسلموں نے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے مسلم قوم کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ واپس آگئے۔ ایک صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بچ کر مدینہ بھاگ گئے۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے واپس لینے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدے کا احترام کیا اور انہیں مکہ واپس جانے کے لیے سپرد کیا۔ مکہ واپسی کے راستے میں، ابو بصیر رضی اللہ عنہ، فرار ہو گئے اور بالآخر مدینہ اور مکہ سے دور ایک اور ویران علاقے میں بھاگ گئے۔ اس کے بعد جب بھی کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بھاگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے تجارتی قافلوں پر چھاپہ مارنا اور لوٹنا شروع کر دیا، کیونکہ صلح کے معاہدے میں ان کو شامل نہیں کیا گیا تھا، صرف مدینہ کے شہری شامل تھے۔ جس کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا اور آپ سے التجا کی کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو مدینہ بلائیں تاکہ چھاپے اور لوٹ مار ختم ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اتفاق کیا اور یہ لوگ امن کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 240 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخر کار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔ [یعقوب] نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی "چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے "... "راستے [یعنی تقدیر] کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

آپ کی میراث

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ ان کے قلعوں میں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ اپنا جھنڈا کسی ایسے شخص کو دینے والا ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور یہ شخص بھی اللہ کا محبوب ہے۔ عالیہ، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شخص خیبر کو فتح کرے گا۔ اگلے دن اس نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں جھنڈا سونپ دیا اور پھر خیبر فتح ہو گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس فتح سے کچھ زمین حاصل کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ اس نے اسے خیراتی وقف کے طور پر قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ جائیداد سے حاصل ہونے والی پیداوار مسلسل غریبوں کو عطیہ کی جاتی رہی۔ صحیح بخاری نمبر 2773 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جاتا ہے، جیسے پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ ان کو اس کا ثواب ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اچھی میراث چھوڑنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے جو ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنی دولت اور جائیدادوں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے ایک میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس میراث پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ لہذا ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

دورہ (عمرہ)

کمزوری کے بغیر عاجزی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت (عمرہ) کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما یہ خبریں پھیلا رہے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی مشکل اور پریشانی میں ہیں۔ غیر مسلم بیت اللہ، کعبہ کے قریب قطار میں کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہی دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس دن طاقت کا مظاہرہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کی۔ اپنی طاقت دکھانے کے لیے انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جزوی طور پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 308 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 2556 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزی اختیار کرنے والے کو بشارت دی ہے جو بغیر کسی عیب یعنی کمزوری کے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ عاجز اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر سرتسلیم خم کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس طرح اس کی بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ آسانی سے اسے قبول کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اور اس سے قطع نظر کہ اسے کون ان تک پہنچاتا ہے۔ مطلب، وہ سچائی کو یہ سمجھتے ہوئے رد نہیں کرتے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی دنیاوی چیز کی وجہ سے جو ان کے پاس ہیں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے وہ ان سے برتر ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا آخری انجام یا دوسروں کا آخری نتیجہ ان کے لیے نامعلوم ہے۔ یعنی وہ مر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو انسان کو غرور کے مہلک گناہ سے روکنا چاہیے۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کمزوری کے بغیر

عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کرنے سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی ان کی عاجزی ان کی بے عزتی اور بے عزتی کا باعث بنتی ہے۔

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

فتح مکہ

سب سے پہلے اسلام کے لیے اخلاص

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک دوسرے قبیلے کی حمایت کر کے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قبیلے پر حملہ کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو معلوم ہوا کہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک رہنما ابو سفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اس معاہدے کی توثیق کریں اور اس میں توسیع کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ ان کی غداری کے نتائج کے بارے میں فکر مند ابو سفیان نے بہت سے بزرگ صحابہ سے بات کی، جن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کریں۔ اس نے ان کے ساتھ مختلف وابستگیوں کو درج کیا تاکہ ان پر فتح حاصل کی جاسکے جیسے کہ قبائلی اور رشتہ داریاں لیکن سب نے ایک ہی طرح سے جواب دیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاہدے کی تجدید یا تجدید نہ کرنے پر راضی کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اس کے بجائے انہوں نے فیصلہ اپنے رہنما پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کی خدائی رہنمائی شدہ انتخاب پر بھروسہ کرے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 381-382 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوسروں کی حمایت کرتے تھے اور ان کی حمایت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی بنیاد پر کرتے تھے نہ کہ کسی اور وجہ سے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

ان خصلتوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دینا ہے۔ اس سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو ایک دوسرے کو دے سکتا ہے، جیسے کہ جسمانی اور جذباتی مدد نہ صرف دولت۔ جب کوئی دیتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایسا کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے معاملات میں، جیسے مخلصانہ مشورہ دینا۔ درحقیقت یہ دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ ان نعمتوں کو کسی کے احسانات کو شمار کیے بغیر دوسروں کو دینا اور بانٹنا ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے وصول کرنے کے لیے دیا تھا۔ دوسروں سے کچھ۔ باب 76 الانسان، آیت 9

[کہتے ہوئے]، "ہم تمہیں صرف اللہ کے چہرے [یعنی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں، ہم تم سے "اجر یا شکر گزاری نہیں چاہتے۔"

مرکزی حدیث میں زیر بحث آخری خصوصیت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے روکنا ہے۔ اس میں دولت جیسی نعمتوں کو دوسروں سے ایسے معاملات میں روکنا بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ یہ مسلمان یہ نہیں دیکھے گا کہ کون ان سے کسی چیز کی درخواست کر رہا ہے بلکہ وہ صرف اس درخواست کی وجہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر وجہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے تو وہ نعمت کو روکیں گے اور سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

اس میں ایسے معاملات میں اپنے قول و فعل سے روکنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں، جیسے غیبت یا غصہ ظاہر کرنا۔ یہ مسلمان اپنی خواہشات کے مطابق نہ بولے گا اور نہ ہی عمل کرے گا اور صرف اس صورت میں پیش قدمی کرے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، ورنہ آگے بڑھنے سے باز آجائے گا۔

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کر کے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ حاطب ابن ابی بلتہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون قاصد کو مکہ کی طرف ایک خط کے ساتھ روانہ کیا جس میں غیر مسلموں کو اطلاع دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف جارہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی الہی اطلاع ملی اور اس کے نتیجے میں علی ابن ابی طالب، مقداد بن عمرو اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ ان کو روکیں اور واپس لے آئیں۔ مکہ پہنچنے سے پہلے خط منصوبہ کامیاب ہوا اور وہ خط حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کر دیا گیا، آپ نے پھر حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان کے خط کے متعلق سوال کیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اس نے نہ تو مرتد کیا ہے اور نہ ہی کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے بلکہ اس نے خط صرف اس لیے لکھا ہے کہ مکہ میں ان کے پاس کوئی نہیں تھا جو وہاں اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر سکے اور اسے یقین تھا کہ اس خط کے ذریعے اسے فائدہ ہو گا۔ ان کا احسان اور اس کے نتیجے میں وہ اس کے خاندان اور املاک کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمائی کہ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غداری کے جرم میں حاطب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ جنگ بدر میں لڑ چکے ہیں اور اللہ عزوجل پہلے ہی اس کو قتل کر چکا ہے۔ جنگ بدر کے تمام شرکاء کو بخش دیا۔ اس کا تذکرہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 379 اور صحیح بخاری نمبر 3007 میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے۔

اے ایمان والو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، ان کے ساتھ محبت کرو، جب کہ وہ اس بات کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس حق آیا ہے، اس لیے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنے آپ کو نکال دیا ہے۔ "تیرا رب۔ اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری رضا کے حصول کے لیے نکلے ہو، تو [انہیں دوست نہ بناؤ]۔ تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو، لیکن جو کچھ تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا ہے، میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور "تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا وہ یقیناً راہ کی درستگی سے بھٹک گیا ہے۔"

اس پر امام محمد السلابی کی کتاب نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1684-1685 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حاطب رضی اللہ عنہ کے ارادے برے نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنا چاہتے تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ غیر مسلموں کے نام ان کے خط سے مکہ کی منصوبہ بند فتح میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جیسا کہ مکہ کے غیر مسلم پہلے ہی سے اس واقعہ کے قائل تھے، اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص رہتے اور اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے۔ اس ایک غلطی کی سزا دینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربان کرتے ہوئے دیکھی اور اس لیے اس ایک غلطی کو نظر انداز کر دیا۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توبین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہیے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا

ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ ..."

“اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بمردی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کر کے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اعلان فرمایا تھا کہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے جو بھی ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گا وہ مسلمانوں کے لشکر سے محفوظ رہے گا۔ اور جو اپنے گھروں میں داخل ہو کر اپنے دروازے بند کر لے گا وہ محفوظ رہے گا اور آخر کار جو اللہ کے گھر، کعبہ میں پناہ مانگے گا وہ مسلمانوں کے لشکر سے محفوظ رہے گا۔ اس نے فوج کو حکم دیا کہ وہ صرف ان لوگوں سے لڑے جو ان سے لڑے لیکن چند لوگوں کی فہرست دی جنہیں اگر مل جائے تو پھانسی دے دی جائے۔ ان لوگوں کو سیکورٹی میں توسیع نہیں دی گئی کیونکہ ان کے جرائم بہت زیادہ تھے، جیسے کہ غداری، جو کہ اس دن اور عمر میں بھی ایک بڑا جرم ہے۔ مثال کے طور پر چند سال پہلے میقیاس بن صبا اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ اس نے اپنے مسلمان بھائی ہشام بن صبیغہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مالی معاوضہ کی درخواست کی، جو ایک جنگ کے دوران غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ رقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد اس نے اس مسلمان سپاہی کو قتل کر دیا جس نے غلطی سے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ میقیاس پھر مکہ بھاگ گیا جہاں اس نے مرتد ہو گیا۔ مکیاس کو فتح مکہ کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی سزا سنائی تھی کیونکہ اس نے دو سنگین جرائم کا ارتکاب کیا تھا، دونوں کے لیے پھانسی کی ضمانت دی گئی تھی۔ پہلا مسلمان سپاہی کو خاص طور پر مالی معاوضہ لینے کے بعد قتل کرنا تھا اور دوسرا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہونا تھا۔ اسے مکہ میں پایا اور قتل کر دیا گیا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت نمبر 93 نازل فرمائی۔

لیکن جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ”رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ایک اور شخص عبد العزہ بن خطل نے شروع میں اسلام قبول کیا اور جب اسے ایک گاؤں سے صدقہ فطر جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا تو اس نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، جب ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہو کر غیر مسلموں کے پاس بھاگ گیا اور یہاں تک کہ دو خواتین گلوکاروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توہین آمیز اشعار لکھنے کے لیے ملازم رکھا۔

اس کے علاوہ جب مسلمانوں کی فوج مکہ میں داخل ہوئی تو اسلام سے ارتداد کے جرم میں موت کی سزا پانے والے افراد میں سے ایک عبداللہ ابن سعد بھاگ کر ایک صحابی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا اور ان سے حفاظت کی درخواست کی۔ وہ جواباً اس شخص کو لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور اپنی طرف سے التجا کی۔ اگرچہ اس کے جرائم سنگین تھے، پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 212-213 اور 402، امام صفی الرحمن کی، مہربند نیکٹر، صفحہ 396-397 اور امام واحدی کی، اصاباب النزول، 4 میں بحث کی گئی ہے۔ 93، صفحہ 59۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے: کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت: تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

حنین کی جنگ

مشکل میں ثابت قدم رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی بنیاد پر قائم رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آخر کار جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ان کو بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 451 اور امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 109-110 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی

تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

طائف کا محاصرہ

نرمی اور دوسرا امکان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ طائف کے غیر مسلموں نے تقریباً 30 دن تک محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو طائف سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے برسوں پہلے، مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف کے لوگوں کو تباہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، کی وجہ سے روک دیا تھا۔ اس کے ساتھ ان کے ناروا سلوک کا۔ لیکن اس نے اس اختیار کو ٹھکرا دیا اور اس کے بجائے تبصرہ کیا کہ اسے امید صحیح بخاری نمبر 3231 میں موجود ایک حدیث میں اس بے کہ وہ بالآخر اسلام قبول کر لیں گے۔ تحفظ کا یہ انتخاب جاری رہا اور مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے روک پر بحث کی گئی ہے۔ دیا۔

مزید برآں طائف کے لوگوں نے آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ دوسرا موقع دیا کہ انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں اور اسلام قبول کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 476 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتنے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ طرح وہ اللہ تعالیٰ سے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس [سے] دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے " اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

برائی پر اعتراض کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ بوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ذوالخواصیرہ نامی ایک منافق نے تبصرہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انصاف سے کام نہیں لے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے اور جواب دیا کہ اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو کون کرے گا؟ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس صریح منافق کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ شخص آخر کار ایک باغی گروہ کی قیادت کرے گا جو اس میں داخل ہو گا اور باہر نکل جائے گا۔ اسلام کا ایمان بالکل اسی طرح ہے جیسے تیر اپنے نشانے سے داخل ہو کر نکلتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 492-493 میں بحث کی گئی ہے۔

اس قسم کی صریح توہین کی سزا موت ہے، جسے عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا۔ اس کے علاوہ اس کا رد عمل برائی پر اعتراض کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر ہر قسم کے اعتراض کرنا فرض ہے۔ ان کی طاقت اور ذرائع کے مطابق برائی کا۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت حاضر ہو اور اس کی مذمت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ لیکن جو غائب تھا اور برائی کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت موجود تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف اس مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو مثال کے طور پر، انہیں ان کے فعل یا قول سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ حق بات کہنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خاموش رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی آنکھوں میں سٹیٹس

سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں، ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 105۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہیں "...کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فرض کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ ان پر فرض ہے اور ان کے بارے میں جو وہ جسمانی اور زبانی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ سے محفوظ، کیونکہ یہ اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ یعنی یہ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے کے لیے بری چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12

“...اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...جاسوسی نہ کرو”

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی خواہشات پر نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان یقین کر سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کر

رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق نرمی اور منصفانہ طریقے سے برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دھکیل دے گا اور غصہ کرنے کے نتیجے میں مزید گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔

ہجرت کے بعد نواں سال

تبوک کی جنگ

سچی عقیدت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل کیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

اس عظیم مہم پر روانگی سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے لوگوں کو اس میں مالی تعاون کرنے کی ترغیب دی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال صدقہ کر دیا۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3675 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی دینے کے لیے ان کے جوش کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ واقعہ باب 3
:علی عمران آیت 92 سے مربوط ہے

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف

كر سكتے ہيں اور پھر بهى اپنے تمام خوابوں كو حاصل كرنے كى توقع ركھتے ہيں؟ يہ رويہ واقعى
عجيب ہے۔

صبر اور قناعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ دوران سفر فوج کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے پانی سے گزرنے والے اونٹوں کو ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت طلب کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی لیکن اس سے پہلے کہ وہ جاتے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس سے ٹرانسپورٹ کی قلت ہو جائے گی۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ تمام دستیاب کھانے کو جمع کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس تجویز پر اتفاق کیا اور معجزانہ طور پر کھانے کی تھوڑی سی مقدار ان کے تمام برتنوں میں بھر گئی اور سب نے اطمینان سے کھا لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 11-12 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹوں کو خود ذبح کرنے کے بجائے آسانی سے دعا کرنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ اس کے طرز عمل کے پیچھے حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلوں پر قناعت کی اہمیت سکھائی جائے۔

صبر اور قناعت میں فرق یہ ہے کہ صبر کرنے والا کسی صورت حال سے شکایت نہیں کرتا بلکہ حالت بدلنے کی خواہش اور دعا بھی کرتا ہے۔ جبکہ قناعت کرنے والا اپنی پسند پر اللہ تعالیٰ کے

انتخاب کو ترجیح دیتا ہے اور اس لیے حالات کو بدلنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے آسانی سے دعا کر سکتے تھے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ممکنہ طور پر متصادم نہیں ہونا چاہتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ، غالباً یہ چاہتا تھا کہ وہ مطمئن رہے۔ اگرچہ ایک دعا جائز ہوتی پھر بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی مکمل بندگی کی خواہش کی اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرتے ہوئے خاموش رہا۔ ایسا کرنے کی درخواست کے بعد ہی اس نے دعا کی۔ سیکھنے کا سبق یہ ہے کہ اگرچہ کچھ حالات ظاہر ہوتے ہیں اور طویل عرصے میں تکلیف دہ محسوس کرتے ہیں، جو چیزیں رونما ہوتی ہیں وہ ایک مسلمان کے لیے اس کی خواہش سے بہتر ہوتی ہیں، خواہ وہ ان کے پیچھے موجود حکمت کو فوری طور پر نہ دیکھیں۔ شاید مشکل کا سامنا کرنا ایک مسلمان کو جنت میں داخل کرنے کی وجہ ہو سکتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ کم از کم صبر کیا جائے اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے فرمان پر راضی نہیں ہو سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے..." اور وہ آپ کے لیے بری ہے

ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس نے ان کے لیے حالات کا انتخاب کیا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس سے محفوظ طریقے سے نکال سکتا ہے۔ یہ صرف اس کی اطاعت سے اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2

”اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔“

ایک مبارک قبر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ غزوہ کے دوران ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ آدھی رات کو اٹھے اور روشنی دیکھی۔ جب وہ تحقیق کرنے کے لیے اس کے پاس گیا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو ایک صحابی ذی الحجہ کی قبر کھودتے ہوئے پایا۔ اس سے خوش ہوں، جو انتقال کر گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں تھے جب کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ذی الحجہ رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کو صحیح طریقے سے قبر میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح راضی ہونے کی درخواست کی جس طرح وہ آپ سے راضی تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش یہ ان کی قبر ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 22-23 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ اس بات کو یقینی بنائے گا

کہ وہ اس کے لیے ضروری اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب غزوہ تبوک پہنچا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تقریر فرمائی: ”لوگو، سب سے زیادہ سچی تقریر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ بندوں میں سب سے مضبوط لفظ (ایمان کی گواہی) ہے۔ سب سے افضل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ زندگی کے بہترین طریقے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات ہیں۔ سب سے افضل کلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سب سے بہترین روایت قرآن پاک ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور کیے گئے ہیں۔ بدتر طرز عمل وہ ہیں جو اختراع شدہ ہیں۔ بہترین رہنمائی انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ مرنے والوں میں سب سے افضل شہید کے طور پر مارا جا رہا ہے۔ سب سے اندھی چیز ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو نفع بخش ہوں۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے (بدعت نہیں)۔ بدتر اندھا پن (روحانی) دل کا ہے۔ اوپر والا ہاتھ (صدقہ دینے والا) نیچے والے ہاتھ (صدقہ لینے والے) سے بہتر ہے۔ جو تھوڑا ہے لیکن کافی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو بہت ہے لیکن فضول ہے۔ بدترین معافی وہ ہے جب موت قریب ہو۔ قیامت کے دن بدترین توبہ ہے۔ وہ لوگ ہیں جو صرف اس کے آخر میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر بے فائدہ کرتے ہیں۔ گناہوں میں سے بدتر جھوٹی زبان ہے۔ بہترین مال وہ ہے جو نفس کی (قناعت) ہے۔ بہترین صفات تقویٰ ہے۔ حکمت کی انتہا اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ دل کی بہترین خوبی یقین (ایمان) ہے۔ شک کرنا کفر میں سے ہے۔ ماتم میں نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) کا عمل ہے۔ دھوکہ جہنم میں پھیلی ہوئی مٹی کا ہے۔ (زیادہ تر) شاعری شیطان کی طرف سے آتی ہے۔ شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔ عورتیں (مردوں کے لیے اور مرد عورتوں کے لیے) شیطان کے پھندے ہیں۔ جوانی جنون کی ایک شاخ ہے (کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے)۔ بدتر آمدنی سود سے ہوتی ہے۔ بدترین کھانا یتیموں کا مال کھا رہا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جسے دوسروں کے اعمال سے ڈرایا جائے۔ تم میں سے کسی کو آخرت کی طرف لے جانے کے لیے معاملہ (موت) کے لیے صرف چار بازو دور جانا ہے۔ کسی عمل کی بنیاد اس کے نتائج سے طے ہوتی ہے۔ حکایتوں میں بدتر وہ ہیں جو جھوٹی

ہیں۔ جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے۔ مومن کو گالی دینا غضب ہے۔ مومن سے لڑنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا (غیبت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے، اس نے اس کو جھوٹا کہا۔ جو اس کی بخشش مانگے گا اسے بخش دیا جائے گا۔ جو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ جو غصے کو دبائے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ جو مصیبت پر ثابت قدم رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرے گا۔ جو شہرت چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دے گا۔ جو ثابت قدم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر دے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ میں اپنے لیے اور تمہارے لیے معافی چاہتا ہوں۔“ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 16-17 میں بحث کی گئی ہے۔

ہجرت کے بعد 10 واں سال

الوداعی مقدس زیارت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 152 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری

کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

کوئی نقصان نہیں پہنچانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حج کا ایک پہلو حجر اسود کو چھونا اور چومنا ہے جو خانہ کعبہ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ مضبوط آدمی ہونے کے باوجود حجر اسود تک پہنچنے کے لیے جھپٹنا نہیں چاہیے کیونکہ اس سے نقصان ہو سکتا ہے۔ دوسرے اگر لوگوں کے رش کی وجہ سے حجر اسود تک جانے کا راستہ نہ مل سکے تو اسے دور سے سلام کرنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 228 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حجر اسود تک پہنچنا ایک عبادت ہے پھر بھی ایک مسلمان کو اس عمل میں دوسروں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

s عملی رول ماڈل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے ایک صحابی عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ نماز باجماعت پڑھائیں۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں پا رہے تھے اور وہ نماز میں تاخیر کی خواہش نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اس کے بجائے، نماز کی امامت کرنا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سن کر اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے انکار نہیں کرتے۔ اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعد میں عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے تھے، انہیں حکم دیا کہ نماز پڑھاؤ ورنہ وہ کبھی نہ پڑھ سکتے۔ ایسا کیا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے معذرت کی لیکن مزید کہا کہ چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد سے غائب تھے، اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی نماز پڑھانے کے لائق نہیں تھا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 332-333 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ واقعہ، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، واضح طور پر اشارہ کرتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، اسلام کے پہلے خلیفہ ہونے کے لیے مطلوبہ انتخاب تھے۔ اس کے علاوہ یہ خاص

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ یہاں تک اشارہ کر دیا کہ اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان پاکیزہ ارواح کو قیادت کے لیے چنا گیا کیونکہ ان میں ایک اچھے رہنما کی صفات موجود تھیں۔ جن میں سے سب سے بڑی مثال پیش کر رہی ہے۔ اس خوبی کو تمام مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے اسلام کا نمائندہ ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی علم کے اجتماع میں شرکت کے لیے کئی دن سفر کرنا پڑتا تھا لیکن اب لاتعداد لیکچر آن لائن مل سکتے ہیں۔ اس کے باوجود، صالح پیشواؤں کے گزرنے کے بعد سے صحیح راستے سے لاعلمی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث حفظ کر کے علم حاصل کیا ہے، لیکن ان کا استعمال اپنی سیرت کو سنوارنے کے لیے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ جو لوگ اس طرح کام کرتے ہیں وہ اپنی نصیحت سے دوسروں کے دلوں پر اثر کرنے کی طاقت کھو دیتے ہیں۔ کچھ لیکچررز نیوز بلیٹن کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں کو کام کرنے کی ترغیب دیے بغیر صرف معلومات فراہم کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے خدا کے دیے ہوئے علم کے ذریعے دوسروں کی رہنمائی کرنے کے اپنے فرض میں ناکام رہتے ہیں۔ غیر مسلم بنیادی طور پر ایک کامیاب مسلمان کی عملی مثال دیکھنے کے بجائے اسلام کی اپنی تحقیق کے ذریعے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جو شخص اسلام کو پھیلانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنے کردار کی تظہیر کو اپنی اولین ترجیح بنائے۔ باب 61 الصف، آیت 3

”اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

جب کوئی اس طرح سے کام کرتا ہے تو تھوڑا سا درست علم خود پر اور دوسروں پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ جبکہ اس صحیح رویہ کو رد کرنے والے زیادہ علم کے مالک ہو سکتے ہیں لیکن اس کا کسی پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔ قرآن پاک میں اس قسم کے شخص کی وضاحت کی گئی ہے۔
باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا (اپنے علم پر عمل نہیں کیا) اس گدھے کی طرح بے جو [کتابوں کی]
“جلدیں اٹھائے ہوئے ہے۔

سب سے زیادہ علم والا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اسلامی علوم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے وقف تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس نے اس اور بہت سی دوسری بابرکت چیزوں میں ان میں سے بہت سے لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ مثال کے طور پر، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شرعی احکام جاری نہیں کرے گا۔ اسے امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 18 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمر ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا

ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

بابمی مشاورت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بار نصیحت کی کہ درج ذیل آیت میں خاص طور پر ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور عام طور پر دوسروں کی طرف اشارہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

"...پس اللہ کی رحمت سے، آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی اور اس معاملے میں ان سے مشورہ کیا"

اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 28 میں بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43

"پس اہل پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔"

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

تحفظ ختم نبوت

عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا ہے کہ درج ذیل آیت خاص طور پر ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور عام طور پر دوسروں کے لیے۔ باب 66 تحریم، آیت 4

لیکن اگر تم اس کے خلاف تعاون کرو گے تو بے شک اللہ اس کا مولیٰ ہے اور جبرائیل اور مومنین ”...کے صالحین“

امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 28 تا 29 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا جوہر اخلاص ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

”اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔“

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اپنی بیماری سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت فرمائی تھی کہ کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ جنت میں اپنا آرام گاہ نہ دیکھ لیں اور زندگی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے۔ اور موت صحیح بخاری نمبر 4428 میں موجود ایک حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو زہر انہیں خیبر میں برسوں پہلے دیا گیا تھا وہ انہیں تکلیف دے رہا تھا اور محسوس ہوا کہ وہ اس سے مر جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کا شرف بخشا۔ اپنے آخری لمحات میں، اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور سب سے اعلیٰ صحابی کے لیے اعلان کیا، یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 63 برس تھی۔ اسے جنت کے ایک بلند ترین مقام پر منتقل کیا گیا جو کہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور شاندار سطح ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 343 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب: الحج، آیت 11 22

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی " ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا "اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دے۔ حالات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس عارضی ٹھکانے سے ابدی آسودگی کی طرف ایک بلند ترین مقام پر پہنچا دیا، جو جنت کے سب سے اعلیٰ اور شاندار درجے پر ہے۔ باب 17: الاسراء، آیت 79

”امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔“

اور باب 93 عاد الدوحہ، آیات 4-5

اور آخرت تمہارے لیے پہلی زندگی سے بہتر ہے۔ اور تمہارا رب تمہیں دینے والا ہے اور تم راضی " ہو جاؤ گے۔"

یہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا۔ اس نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی اور دونوں جہانوں میں بہترین کی طرف ہدایت دی تھی۔ اس نے انہیں تنبیہ کی تھی اور ان کو اس چیز سے روکا تھا جو انہیں یہاں زمین اور آخرت میں نقصان پہنچانے والی تھی۔ درود و سلام ہو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی زندگی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب

فرمانبردار رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ ان کے شدید غم کی وجہ سے ہر شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر مختلف رد عمل ظاہر کیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں اس پر یقین کرنے سے انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح واپس آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور اس کے نتیجے میں چالیس دن کے لیے اپنی قوم سے رخصت ہوئے۔

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے تو انہوں نے مسجد نبوی میں لوگوں سے خطاب کیا۔ اس نے باب 3 علی عمران آیت 144 کی تلاوت کی:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول نہیں ہیں۔ اس سے پہلے [دوسرے] رسول گزر چکے ہیں۔ پس "اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو اللہ پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اور پھر یہ فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی بخشی، اور آپ کو زندہ رکھا یہاں تک کہ آپ نے اللہ کے دین کو قائم کیا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کیا۔ سربلند، صاف، اس کا پیغام پہنچایا اور اس کی راہ میں لڑا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس لے لیا اور آپ کو راستے پر چھوڑ دیا۔ اور کوئی ہلاک نہیں ہوگا سوائے واضح نشانیوں اور درد کے۔ جن کا رب اللہ تعالیٰ ہے وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اور جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتے تھے وہ جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ اللہ سے ڈرو اے لوگو! اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی حمایت کرتے ہیں اور جو اس کے دین کا احترام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے۔ یہ روشنی اور علاج دونوں ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت دی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو حلال سمجھتا ہے اور کس چیز کو حرام۔ ہم پروا نہیں کریں گے کہ مخلوق میں سے کون ہم پر (ہم پر حملہ کرنے) اترتا ہے۔ ہم مخالفت کرنے والوں کے خلاف اسی طرح بھرپور طریقے سے لڑیں گے جس طرح ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ جنگ لڑی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا تو سب نے حق کو تسلیم کر لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو چکر آیا اور وہ زمین پر گر پڑے اور آخر کار تسلیم کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 348-349، اور امام کی وفات واقع ہو چکی ہے۔ محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 1، صفحہ 139-141 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا

حق کا ساتھ دینا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔ صحیح بخاری نمبر 3667 اور میں موجود احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے - 3668

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کا ساتھ دینے کی اہمیت ہے۔ اس اور دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی اور کو اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ درحقیقت انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی رکھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل اور پریشانی کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے نمائندے کے طور پر اہم کردار ادا کریں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کردار کے لیے بہترین شخص کو مقرر کر کے صحیح کام کرنے اور مسلم قوم کی مدد کرنے کا انتخاب کیا۔ اسے اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر اس نے کسی اور کا ساتھ دیا تو اس کا درجہ اور سماجی حیثیت کم ہو جائے گی یا اسے بھلا دیا جائے گا۔ درحقیقت، اس کی عزت اور سماجی حیثیت اس صحیح انتخاب کے بعد ہی بڑھی۔

بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اور یہاں تک کہ اسلامی ادارے بھی اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ اکثر کسی کی مدد کرنے کے بجائے صرف ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں جن کے ساتھ ان کا رشتہ ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اچھی باتوں میں دوسروں کا ساتھ دیں گے تو ان کی سماجی

حیثیت کم ہو جائے گی۔ کچھ اس سے بھی نیچے گر گئے ہیں اور برے کاموں میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اچھے کام کرنے والے اجنبیوں کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کمزور ہوتا چلا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں تھوڑے تھے لیکن کسی اور چیز کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دے کر اپنا فرض ادا کیا۔ مسلمانوں کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں طاقت اور عزت چاہتے ہیں۔ باب 5 المائدہ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

مزید برآں، اگرچہ یہ واضح تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، حتیٰ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی پسندیدہ انتخاب تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح طور پر نامزد نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور نیا لیڈر نامزد کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ ایک امتحان یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیادت کے لیے بحث اور جدوجہد کریں گے یا خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کریں گے اور بہترین شخص کو اس کردار کے لیے نامزد کریں گے۔ جیسا کہ تاریخ واضح طور پر ظاہر کرتی ہے، انہوں نے یہ امتحان اڑتے رنگوں کے ساتھ پاس کیا۔ اس لیے یہ ان کے لیے ایک امتحان تھا، اور مستقبل کے مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحت کے ساتھ مقرر کیا گیا تھا تو پھر مستقبل میں کچھ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیان کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقرری پر کبھی متفقہ طور پر راضی نہیں ہوئے اور وہ صرف۔ اسے قبول کیا کیونکہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے کسی صریح حکم سے گریز کرنے سے اس باطل عقیدہ کو روکا گیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان واضح اشارے کے تحت اپنا لیڈر منتخب کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ ہونا چاہیے۔ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ کے حق میں مزید اضافہ ہوا، جیسا کہ ان کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اشارہ کیا تھا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آزادانہ طور پر مقرر کیا تھا۔

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ دوم کے طور پر نامزد کرنا ہمیشہ سے بہت زیادہ بحث کا موضوع رہا ہے۔ صحیح راہنمائی کرنے والے علماء نے اکثر دو گروہوں: سنی اور شیعہ کو حق پر متحد کرنے کے لیے اسلام کے پہلے اور دوسرے خلیفہ ہونے کے اپنے حق کے زبردست ثبوت پر بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ ایک مناسب مقصد ہے، لیکن اوسط مسلمان کو ان مباحثوں یا اس سے ملتی جلتی دیگر بحثوں میں نہیں پڑنا چاہیے، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف، کیونکہ یہ ایسے مسائل ہیں جو اللہ عزوجل کی مرضی ہے۔ ان سے قیامت کے دن نہ پوچھنا۔ یہ مسائل اللہ عزوجل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 141:

یہ وہ قوم ہے جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے " کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

ایک مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ہدایت پر تھے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی تھا۔ یہ بات قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر، باب 9 توبہ، آیت 100:

اور مہاجرین (مکہ سے آنے والے) اور انصار (مدینہ کے رہنے والوں) (میں سب سے پہلے) ایمان " میں [اور وہ لوگ جنہوں نے حسن سلوک کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے "نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

چونکہ قیامت کے دن ان مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اس لیے ایک مسلمان کو ان چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ جب کوئی مسلمان قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو پوری طرح سمجھ لے اور اس پر عمل کر لے تو کیا اسے دوسرے مسائل پر توجہ دینے کا حق ہے؟ جیسا کہ عملی طور پر کوئی بھی اس سطح تک نہیں پہنچا ہے، اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان مسائل پر توجہ مرکوز کریں جو متعلقہ ہیں، یعنی وہ مسائل جو اس بات کا تعین کریں گے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔

ایک عمدہ خطبہ

جس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے جبکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو، کل میں نے تم سے وہ باتیں کہی تھیں جو مناسب نہیں تھیں۔ میں نے اسے اللہ کی کتاب میں نہیں پایا، اور یہ وہ چیز نہیں تھی جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ لیکن میں نے سوچا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ ہم میں سے آخری مرنے والے ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تم میں اپنی کتاب چھوڑی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔ اگر تم اس پر قائم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی رہنمائی کرے گا جس کی اس نے اسے ہدایت کی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم کو تم میں سے بہترین صحابی رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں متحد کیا ہے، دو میں سے دوسرے جب "وہ غار میں تھے، اس لیے اٹھو اور اپنی بیعت کرو۔ اس کو

عمر نے لوگوں کو کسی قسم کی حسد کے بغیر، ان کی رہنمائی کے سب سے زیادہ لائق شخص کے تحت متحد ہونے کی ترغیب دی۔ اس کے عمل نے لوگوں کے لیے تقسیم اور فتنوں سے بچایا اور مسلمانوں کو ان آنے والی مشکلات کے لیے تقویت بخشی جن کا ان کا مقدر تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 143 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو ان خصوصیات کو اپناتے ہوئے ان کی تقلید کرنی چاہیے جو مسلمانوں کو متحد کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیاوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدہ، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں: وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ

کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ

لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

مرتد کی جنگیں

ضد چھوڑنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے عرب قبائل مرتد ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے جھوٹے پیغمبروں کی پیروی شروع کردی اور بعض نے واجب صدقہ دینے سے انکار کر دیا۔ ان عرب قبائل نے اسلام کو صرف اس وقت قبول کیا جب یہ خطے میں غالب قوت بن گیا اس لیے ان کا ایمان ہمیشہ کمزور اور یقین کے بجائے اندھی تقلید پر مبنی رہا۔ جھوٹے نبیوں نے ایمان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور لوگوں کی دنیاوی حرص ان کے کمزور ایمان پر غالب آگئی۔ اس کے علاوہ، اگرچہ ابتدائی طور پر اکثریت نے ابوبکر، جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ ان عرب قبائل کے خلاف جنگ نہ کریں جنہوں نے صدقہ فطر ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن انہوں نے ان کے مشورے کو رد کر دیا۔ اس نے سمجھا کہ اسلام کے اس ستون کو رد کرنا کفر امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ ۳۷ اور اس لیے لڑنے کی واضح وجہ ہے۔ اور صحیح بخاری نمبر 1399-1400 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ 314-317

درحقیقت اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ فرض صدقہ پر سمجھوتہ کر لیتے تو آخر زمانہ تک کے گمراہ اور جاہل مسلمان انہیں اسلام کی تعلیمات سے کھلم کھلا سمجھوتہ کرنے کا بہانہ بناتے۔ تب اسلام اپنا جوہر کھو چکا ہوتا اور صرف ایک خالی خول رہ جاتا جہاں لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اس کی کسی بھی تعلیم پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دور رس ادراک تھا اور وہ اس بات کو سمجھ گئے جب دوسرے اس میں ناکام رہے۔ اسلام کے جوہر کی حفاظت اسی لیے انہوں نے ان لوگوں سے جنگ کی جنہوں نے صدقہ فطر دینے سے انکار کیا۔ یہ تاثر اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو اس نے ان لوگوں کو دیا جنہوں نے اس پر زور دیا کہ وہ ان لوگوں سے نہ لڑیں جنہوں نے واجب صدقہ دینے سے انکار کیا۔ انہوں نے کہا کہ وحی کا نزول بند ہو گیا اور دین مکمل ہو گیا۔ کیا اب میں اسے کم کرنے کی اجازت دوں (تبدیل یا ترمیم کرنے) (جب تک میں زندہ ہوں؟ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 361 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پھر سمجھا کہ لڑائی ہی صحیح انتخاب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ضدی رویہ اختیار کرنے سے گریز کیا اور جب حق ان پر واضح ہو گیا تو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور

جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپنا تے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

ایک قابل رہنما

اپنی آخری بیماری کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رومیوں سے لڑنے کے لیے ایک لشکر الباقا اور فلسطین روانہ کیا۔ اس لشکر نے مدینہ سے تین میل دور پڑاؤ ڈالا جب انہوں نے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ مزید ہدایات کے لیے مدینہ واپس آگئے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کو اپنے مشن کو جاری رکھنے کا حکم دینے کا فیصلہ کیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت کرتے ہوئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، کیونکہ وہ بہت کم عمر اور ناتجربہ کار تھے، حتیٰ کہ بہت سے بزرگ صحابہ کے مقابلے میں انہیں قائد مقرر کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحلت سے پہلے ان لوگوں پر تنقید بھی کی تھی جو اس طرح محسوس کرتے تھے اور یہ اعلان کرتے تھے کہ وہ قیادت کے لائق ہیں، جیسا کہ آپ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی لائق تھے۔ اس سے پہلے کی قیادت کی، اگرچہ لوگوں نے ان کی قیادت پر تقرری پر بھی تنقید کی۔ صحیح بخاری نمبر 4469 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دوبارہ لشکر روانہ کیا تو بعض صحابہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کی۔ ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے، جو اس لشکر کا حصہ تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ فوج کی قیادت دوبارہ کسی ایسے شخص کو سونپی جائے جو بڑی عمر کا اور تجربہ کار ہو۔ یہ درخواست سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور تبصرہ کیا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی چھین لی تو آپ ان کو کیسے برطرف کریں گے۔ اسے ذاتی امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر طور پر مقرر کیا اور واضح کیا کہ وہ قیادت کے لائق ہیں۔ صدیق، صفحہ 325-326 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو اسلامہ رضی اللہ عنہ کی تقرری کا مسئلہ تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب سے ناراض نہیں تھے۔ اس پر انہیں صرف اس کی قیادت سے مسئلہ تھا کیونکہ وہ انتہائی کم عمر اور جنگ میں ناتجربہ کار تھا۔ ایک تجربہ کار اور خوف زدہ لیڈر کا ہونا جنگ کے دوران قیادت کا ایک انتہائی اہم پہلو ہے۔ جس لیڈر میں یہ صفات نہ ہوں وہ اپنے حکم جاری کرتے وقت سپاہیوں کے دلوں میں تذبذب کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ ہچکچاہٹ اکثر میدان جنگ میں زندگی اور موت کا فرق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے قائد کی تقرری پر اعتراض کیا۔

اس کے علاوہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی قیادت کے لائق تھے جیسا کہ انہوں نے مثال کے طور پر قیادت کی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3

”اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

لہذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

آخر کار اسامہ رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت چھوٹے تھے لیکن صحیح طریقے سے پرورش پاتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کے مطابق وہ ایک عظیم انسان اور رہنما بن گئے۔ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نوجوانوں کی پرورش پر بھرپور توجہ دینی چاہیے تاکہ وہ مسلمانوں کی آنے والی نسل کو باوقار اور قابل تعریف بن سکیں۔

مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1952 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ والدین کو جو سب سے افضل تحفہ اپنے بچے کو دے سکتا ہے وہ اسے اچھے اخلاق سکھانا ہے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کے ایمان کے بارے میں زیادہ فکر مند رہیں، انہیں دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے اور ان کو فراہم کرنے سے زیادہ۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی ورثے آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو سلطنت بنانے اور بہت زیادہ دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے کا طریقہ سکھانے کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی

مخلصانہ اطاعت سکھانے میں کوتاہی کرتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ ان کی موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے طریقے پر قائم ہو جاتے ہیں تو انہیں اچھے اخلاق سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو واقعی اس تحفے پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان آخرت کے لیے نیکی بھیجتا ہے لیکن نیک اولاد کی طرح اپنے پیچھے نیکی چھوڑ جاتا ہے جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے لیے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح سے خیر میں گھرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

ایمان کو تھامے رکھنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قبل جھوٹے نبی اسود الانسی نے اپنا پیغام پھیلانا شروع کیا اور لوگوں کو آپ پر ایمان لانے پر مجبور کیا۔ ابو مسلم الخولانی رحمۃ اللہ علیہ اسلام پر ثابت قدم رہے جس کے نتیجے میں اسود نے انہیں ایک بڑی آگ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ لوگوں کے تعجب میں آگ نے ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس کے بعد اسود کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اسے جلاوطن کر دیں اس سے پہلے کہ یہ معجزہ لوگوں کے لیے اسے مسترد کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ ابو مسلم رضی اللہ عنہ بالآخر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ سے ان کی شناخت کے بارے میں سوال کیا۔ جیسا کہ مؤخر الذکر ادراک تھا، اس نے دریافت کیا کہ کیا یہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ رکھا ہے؟ ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو حق تسلیم کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس کے نتیجے میں عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فخر سے اپنے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی کہ اس نے انہیں ایک ایسی ہستی دکھائی جس کو اس نے آگ سے بچایا، جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حفاظت کی۔ باب 21 الانبیاء، آیات 28-29

انہوں نے کہا کہ اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی حمایت کرو - اگر تم عمل کرنا چاہتے ہو۔ "ہم" نے فرمایا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا۔

امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 422-423 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ انتہائی مشکلات کے وقت اپنے ایمان کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ہجرت کی ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ درحقیقت، صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان سے غافل نہ ہوں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں اگر وہ اس حدیث میں مذکور ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

انصاف

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دو مسلمانوں نے ان سے درخواست کی کہ انہیں دلدلی زمین کا ایک ٹکڑا دے دیا جائے جو بالکل استعمال نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ زمین کاشت کر سکتے ہیں تاکہ اس سے کچھ فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ ابتدا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں سے مشورہ کرنے کے بعد اتفاق کیا جو اس وقت ان کے ساتھ تھے۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے غصے سے اس دستاویز کو تباہ کر دیا جس پر یہ فیصلہ درج تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کو زمین دینا مناسب نہیں۔ یہ عوام کا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے اتفاق کیا اور اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 149-150 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اچھا تھا کیونکہ زمین کو فائدہ مند طریقے سے استعمال کیا جاتا لیکن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ انہیں سرکاری زمین دینا درست نہیں ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کا تھا۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی

تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور ”رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔¹ پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

قرآن مجید کی تالیف

قرآن مجید کو جمع کرنا

جنگ یمامہ کے بعد، جس میں بہت سے مسلمانوں کی ہلاکتیں ہوئیں، جن میں سے اکثر نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، عمر بن خطاب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوف سے قرآن مجید کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی ترغیب دی۔ اگر قرآن پاک کے حافظ مرتے رہے یا لڑائیوں میں شہید ہوتے رہے تو ختم ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے قرآن کریم کی آیات کسی ایک کتاب میں موجود نہیں تھیں، بلکہ وہ یا تو حفظ کی جاتی تھیں یا مختلف چیزوں مثلاً پتھروں پر لکھی جاتی تھیں، جو مختلف لوگوں کے قبضے میں تھیں۔ ابتدا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ ایسا کام کرنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں بہت سخت تھے۔ لیکن جب آخر کار عمر نے اصرار کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ قرآن کریم کی آیات کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے لیے یہی بہترین عمل ہے۔ ابوبکر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس اہم اور مشکل کام کے لیے مقرر کیا۔ انہوں نے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے لیے انتھک محنت کی۔ یہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر یہ عمر رضی اللہ عنہ کو اور آخر کار ان کی بیٹی اور مؤمنین کی والدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ گئی۔ اس سے خوش۔ صحیح بخاری نمبر 7191 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

انہوں نے قرآن پاک کو مستقبل کے مسلمانوں تک پہنچانے کو یقینی بنانے کے لیے انتھک محنت کی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنی عظیم میراث کا احترام کریں کیونکہ یہی ان کی قربانیوں کا مقصد تھا۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظر انداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے رہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ”ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی

مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا

عظیم تر بھلائی کے لیے

اپنی آخری بیماری کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا اگلا خلیفہ نامزد کرنے کے سلسلے میں بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے جن سے مشورہ کیا گیا اس نے تصدیق کی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس کام کے لیے موزوں آدمی تھے، کیونکہ وہ بلاشبہ ان میں سب سے بہتر تھے، ابوبکر کے بعد دوسرے نمبر پر۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 724-725۔

پہلی بات یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اگلے خلیفہ کے بارے میں دنیاوی وجوہات جیسے خاندانی تعلقات، دوستی وغیرہ کی بنیاد پر غور نہیں کر رہے تھے، انہوں نے اپنے بیٹے کی طرح کسی رشتہ دار کو اس کی خواہش کے لیے مقرر نہیں کیا۔ اس کے نام کو جاری رکھنے کے لیے۔ آج کے لیڈروں کے برعکس، ان کا فیصلہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے تھا، اور اس بات پر مبنی تھا کہ کردار کے لیے کون بہتر ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43

”پس اہل پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔“

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

قیادت سے خوفزدہ

جب ابوبکر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اگلے خلیفہ کے طور پر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو مؤخر الذکر نے اس خوف سے صاف انکار کر دیا کہ قیادت اپنے ساتھ لے کر آنے والی آزمائشوں کے خوف سے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا یہاں تک کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو مجبور کر دیا۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 728 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث 6923 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

اچھی چیزوں میں اطاعت کرنا

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لوگوں سے کھلے عام خطاب کیا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام کا اگلا خلیفہ مقرر کرنے کے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ ان سب نے اعلان کیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی بات سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 728 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک روایت کے مطابق، عمر بن خطاب کا نام لینے سے پہلے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ اس شخص سے راضی ہوں گے جسے آپ نے منتخب کیا ہے؟ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نہ ہوں۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 71 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم "....میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

آگے بھیجنا اچھا ہے۔

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، اپنے گھر والوں کو مشورہ دیا کہ وہ جو کپڑے پہنے ہوئے تھے اسے دھو لیں اور انہیں کفن کے طور پر نیا کپڑا خریدنے کے بجائے ان میں کفن دیں۔ جب اس سے نیا کفن خریدنے کی اجازت طلب کی گئی تو اس نے جواب دیا کہ زندہ لوگ نئے کپڑوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے خلیفہ تھے، پھر بھی انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سادہ زندگی، غربت کی زندگی گزارنے کا انتخاب کیا۔ وہ اپنی ضرورتوں کی فکر کرنے کے لیے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش میں بہت مصروف تھا۔ اپنے آرام کی قربانی دے کر اس نے اپنے لوگوں کی زندگیوں کو آرام دہ بنانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ کے طور پر اس نے اپنے دو سالوں میں خزانے سے جو معمولی تنخواہ لی وہ بھی سرکاری خزانے میں واپس کر دی گئی اور اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ اس نے مسلمانوں کی خدمت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی۔ اس نے اس دنیا امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، سے کچھ نہیں لیا اور دنیا نے اس سے کچھ نہیں لیا۔ صفحہ 734-735 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری سفر آخرت کی تیاری اور دنیا کی آسائشوں کو جمع کرنے، ذخیرہ اندوزی کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے پر زیادہ توجہ دی۔ آج کے قائدین اور عام مسلمان اس مبارک رویے سے کوسوں دور ہیں

صحیح بخاری نمبر 6514 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دو چیزیں میت کو اس کی قبر پر چھوڑ دیتی ہیں اور اس کے پاس صرف ایک چیز باقی رہتی ہے۔ ان کو چھوڑنے والی دو چیزیں ان کا اہل و عیال اور مال ہیں اور ان کے پاس صرف ان کے اعمال باقی رہ جاتے ہیں۔

پوری تاریخ میں لوگوں نے ہمیشہ اپنی زیادہ تر کوششیں دولت اور خوش حال خاندان کے حصول پر مرکوز کی ہیں۔ اگرچہ اسلام ان چیزوں سے منع نہیں کرتا جیسا کہ کسی کی ذمہ داریوں کو

پورا کرنے کے لیے ان کی ضرورت پڑسکتی ہے، مثال کے طور پر، مال کسی کے محتاجوں کی کفالت کے لیے ضروری ہے۔ اسلام صرف مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ وہ ان کے لیے ان کی ضروریات سے بڑھ کر کوشش کریں اور انہیں زیادہ اہم فرائض پر ترجیح دیں، جیسے کہ اعمال صالحہ۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے ضروری دولت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایسا خاندان حاصل کرنا چاہیے جو انہیں آخرت کی تیاری کے لیے ترغیب دے۔ جب اس طرح سے استعمال کیا جائے تو یہ دونوں اچھے کام سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6373 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ اس ذہین شخص کی نشانی ہے جو اس چیز کو ترجیح دیتا ہے جو اس کی ضرورت کے وقت صبر اور مدد کرے یعنی نیک اعمال۔ دوسری طرف جو شخص اپنے مال اور رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے کی اجازت دیتا ہے اسے قرآن پاک میں خسارے میں جانے والا قرار دیا گیا ہے۔ باب 63 المنافقون، آیت 9

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ اور جو ایسا کرے گا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

کچھ لوگ غلط طور پر یہ مان سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں، جیسا کہ اس نے انہیں بڑی دولت اور خاندان سے نوازا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کر کے ان کی الجھنوں کو دور کر دیا کہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور قریب وہی ہے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے۔ باب 34 سبا، آیت 37

اور تمہارا مال یا تمہاری اولاد تمہیں ہمارے مقام سے قریب نہیں کرتی بلکہ وہ ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا۔“

قرآن پاک کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو متنبہ کیا ہے کہ ان کے مال اور رشتہ دار ان کو آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ صحیح دل کے ساتھ آخرت تک نہ پہنچیں۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ”ساتھ آتا ہے۔“

دل کی صحت کی تعریف بہت لمبی ہے سادہ الفاظ میں یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر خلوص دل سے عمل نہ کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب نہ کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا نہ کریں۔ اسے

کسی کا مال آخرت میں صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہو سکتا ہے جب وہ اسے جاری خیراتی منصوبوں پر خرچ کر کے آگے بھیج دیں۔ اس کی تصدیق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے کی ہے۔ یہی حدیث بنی نوع انسان کو بتاتی ہے کہ نیک اولاد اپنے فوت شدہ والدین کی مغفرت کی دعا بھی قبول کی جائے گی۔ بدقسمتی سے، اس دن اور دور میں بہت سے بچے اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرنے کے لیے اپنی وراثت کی تلاش میں اتنے مصروف ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک صالح بچے کی پرورش جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرے اس کا حصول ممکن نہیں ہے اگر والدین اپنی زندگی میں خود عمل صالح انجام نہ دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ اعمال صالحہ سے پرہیز کریں اور امید رکھیں کہ ان کے اس سے نکل جانے کے بعد دوسرے ان کے لیے دعا کریں گے۔ دنیا انسان کو زندہ رہتے ہوئے نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور پھر امید ہے کہ دوسرے ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کریں گے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف وہی دولت جو آگے بھیجے گا ان کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر خرچ کرنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ان کے بچوں کی تعلیم، غلط طریقے سے خرچ کی گئی تمام دولت مالک کے لیے بوجھ بن جائے گی اور ان کی سزا کا باعث بن سکتی ہے۔ لالچ کی وجہ سے صدقہ فطر کو روکنے والوں کو عبرتناک سزائوں سے ڈرایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص اس سنگین گناہ کا مرتکب ہو گا قیامت کے دن اس کا سامنا ایک بہت بڑا زہریلا سانپ ہوگا جو اس کے گرد لپیٹے گا اور اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز "یہ نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن... وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا

سنن ابوداؤد نمبر 1658 میں ایک حدیث ہے جس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ قیامت کے دن جو سونا اور چاندی ہے اسے جہنم کے شعلوں میں تپایا جائے گا اور اگر اس نے فرض صدقہ نہ کیا تو اس سے ان کے جسموں کو داغ دیا جائے گا۔ اس پر واجب

میت کی طرف سے پیچھے چھوڑی گئی کوئی بھی دولت دوسروں کے لیے چھوڑ دی جائے گی کہ وہ اس سے لطف اندوز ہوں جب کہ میت اسے جمع کرنے کا ذمہ دار ہے۔ غور طلب ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر مال کسی ایسے شخص کے لیے چھوڑ دے جو اس کے رکھنے کے لائق نہ ہو اور اس طرح اس کا غلط استعمال کرے تو اس کے لیے بھی میت کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے برعکس، اگر کوئی اپنے پیچھے مال کسی ایسے شخص کے لیے چھوڑ جائے جو اسے صحیح طریقے سے خرچ کرتا ہے تو میت کو قیامت کے دن اس وقت بہت زیادہ پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا جب وہ اسے صحیح طریقے سے خرچ کرنے والے کو ملنے والے اجر عظیم کو دیکھیں گے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 7420 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا کہ حقیقت میں انسان اپنے مال کو صرف تین طریقوں سے استعمال کر سکتا ہے۔ پہلا وہ مال ہے جو ان کے کھانے پر خرچ ہوتا ہے۔ دوسرا مال وہ ہے جو ان کے کپڑوں پر خرچ ہوتا ہے اور آخری مال وہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ باقی تمام دولت دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے جب کہ اس کو جمع کرنے کا ذمہ دار میت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

مال جمع کرنا اور غلط طریقے سے مال خرچ کرنا انسان کو مادی دنیا سے محبت کرنے اور آخرت کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ وہ اپنی عزیز دولت کو پیچھے چھوڑنے کو ناپسند کرتا ہے، جو اس کے مرنے پر واقع ہوگا۔ جو آخرت کو ناپسند کرتا ہے وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ اگر کوئی سچا تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 92

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے ”خرچ نہ کرو۔“

درحقیقت دولت ایک عجیب ساتھی ہے کیونکہ یہ کسی کو تب ہی فائدہ پہنچاتی ہے جب وہ اسے صحیح طریقے سے خرچ کرنے کے بعد اس کے معنی چھوڑ دیتا ہے۔

ایک شخص کو احمق کہا جائے گا اگر وہ بغیر کسی شرائط کے طویل سفر پر نکلے۔ اسی طرح جو اپنے مال کو آخرت کے طویل سفر کے لیے سامان کی صورت میں آگے نہیں بھیجتا وہ بھی بے وقوف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کے وقت انسان کو سب سے بڑا دکھ وہ ہوتا ہے جب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی محنت کی کمائی پیچھے چھوڑ کر خالی ہاتھ آخرت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کو ہر حال میں اس نتیجہ سے بچنا چاہیے۔

نیک اعمال انجام دینا ہی انسان کی قبر کی تیاری کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ وہاں سکون کی کوئی دوسری چیز نہیں ملے گی۔ درحقیقت یہ آخرت میں اپنے ابدی گھر کی تیاری کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اس تیاری کو دنیاوی مادی دنیا کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے۔

ایک شخص کو احمق کہا جائے گا اگر اس کے دو گھر ہوں اور وہ اپنی زیادہ تر کوششیں گھر کو خوبصورت بنانے میں صرف کرے جس میں وہ کم وقت صرف کرے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان اس دنیا میں اپنے عارضی گھر کو خوبصورت بنانے میں زیادہ وقت اور محنت صرف کرے۔ آخرت کا ابدی گھر وہ بھی بے وقوف ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ رویہ ہے حالانکہ وہ تسلیم کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ ان کا اس دنیا میں قیام مختصر اور نامعلوم مدت کے لیے ہے جبکہ آخرت میں ان کا قیام ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ رویہ ایمان کے یقین کی کمی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس لیے جو بھی اس ذہنیت کا حامل ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی علم کی تلاش اور اس پر عمل کرے تاکہ اس کے ایمان کے یقین کو مضبوط کیا جاسکے اس سے پہلے کہ وہ تمام بھلائیوں سے محروم آخرت تک پہنچ جائے۔

جو شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی قبر کی تیاری کرتا ہے، وہ اس کے لیے سکون کا باعث ہوتا ہے، جب کہ ان کے جمع کردہ گناہ ہی ان کے لیے باعث رحمت ہوتے ہیں۔ اندھیری قبر میں ان کا قیام بدتر ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کمزوری کا وقت آنے سے پہلے اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق نیک عمل کرے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اصل حدیث میں بیان کردہ حقیقت کو پہچانے اور اپنے مال کے ساتھ صحیح طریقے سے عمل کرے اس سے پہلے کہ وہ اس وقت تک پہنچ جائے جب ان کی نیک اعمال کے لیے مزید مہلت دینے کی درخواست کو رد کر دیا جائے گا۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر... کبھی تاخیر نہیں کرے گا

انہیں اب اپنے اعمال پر غور کرنا چاہئے تاکہ وہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر لیں اور نیک اعمال کرنے کی کوشش کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں غور و فکر کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ باب 89 الفجر، آیت 23

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا؟"

ہر ایک ان لوگوں پر غور کرے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی ضرورت کے وقت ان کو تسلی دینے کے لئے زیادہ نیک اعمال انجام دینے میں ان کی نابلوی ہے۔ اس وقت کے آنے سے پہلے جلدی کرو اور ناگزیر کی تیاری کرو۔ باب 15 الحجر، آیت 99

“اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں یقین آجائے۔”

ایک حتمی مشیر

اپنی آخری بیماری کے دوران، ابوبکر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کچھ امام اصفہانی کی، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 59 میں کیا گیا ہے۔ آخری نصیحتیں کیں، جن کا ذکر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرو۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔
السلام علیکم باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔ پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں

غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ بھی نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے فرائض مقرر کر رکھے ہیں جن کو دن میں پورا کرنا ضروری ہے، اگر وہ رات کو پورا ہو جائیں تو وہ قبول نہیں کرے گا۔ اور اس نے ایسے فرائض مقرر کر رکھے تھے جن کو رات کو پورا کرنا ضروری ہے، اگر وہ دن میں ادا کیے جائیں تو وہ قبول نہیں کرے گا۔ اور وہ نفلی اعمال کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ فرض اعمال پہلے ادا نہ کیے جائیں۔

یہ نصیحت اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے اور زندگی میں اپنی مرضی کے مطابق کرنے سے گریز کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک

کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ قیامت کے دن انسان کے پلڑے اس کے حق میں بھاری ہوں گے جب وہ دنیا میں حق کی پیروی کرے گا، حالانکہ ایسا کرنا ان پر بھاری تھا۔ اور قیامت کے دن انسان کا ترازو اس کے حق میں ہلکا ہو گا جب وہ اس دنیا میں باطل کی پیروی کرے گا۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ نصیحت بھی کی کہ بندے کو خوف اور امید کے درمیان توازن رکھنا چاہیے: جہنم کا خوف اور جنت حاصل کرنے کی امید۔ بندے کو چاہیے کہ ان کی عقیدت کو قیمتی نہ سمجھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے مایوس ہو۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ان کے تصور کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اچھے خیالات رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے، جیسا کہ یہ یقین رکھنا کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عقیدہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل میں سچی امید جس کا یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اور خواہش مند سوچ میں بہت فرق ہے۔ خواہش مندانہ سوچ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے میں ناکام ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی امید رکھے۔ یہ سچی امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو کوئی بیج نہیں لگاتا، اپنی فصل کو پانی نہیں دیتا اور پھر بھی بڑی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرے اور جب بھی وہ پھسل جائے تو سچے دل سے توبہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو بیج لگاتا ہے، اپنی فصل کو پانی دیتا ہے، فصل کو صحت مند رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور پھر بڑی فصل کی امید کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وضاحت کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے گناہوں سے روکتا ہے جو امید سے برتر ہیں جو کہ انسان کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، خاص طور پر رضاکارانہ قسم۔ لیکن بیماری اور مشکل کے دور میں اور خاص طور پر موت کے وقت مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کے سوا کچھ نہیں رکھنا چاہیے، خواہ اس نے اپنی زندگی اس کی نافرمانی میں گزار دی ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2877 میں موجود حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت

ایک عاجز خلیفہ

جب وہ خلیفہ بنے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور اسی سطح پر بیٹھنے والے تھے جس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھتے تھے جو نشست سے ایک درجہ نیچے تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے تھے۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے توقف کیا اور تبصرہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر رکھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ سے ایک درجہ نیچے بیٹھ گئے جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 172 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں۔“

نہ یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل ان سے تعلق نہیں رکھتا اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی

رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت پر۔ جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے کی رحمت اللہ بھی منحصر ہے۔ بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26: اشعرا، آیت 215

اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو] مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان
:نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ ”
“اور [بہترین] انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک
حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں
ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور
مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے
برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ
اس طرف سے آتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو
کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک عاجزانہ خطبہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 96 میں درج ذیل مختصر خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ کھردرا ہے اور اس سے نرمی کی درخواست کی۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور "دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے ارد گرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔"

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ کنجوس ہے اور اللہ سے درخواست کی کہ وہ اسے سخی بنائے۔ تاریخ واضح طور پر ظاہر کرتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سخی تھے لیکن اس سے زیادہ بننے کی خواہش رکھتے تھے۔

منافقت کا ایک پہلو لالچ ہے۔ ان کی شدید حرص انہیں اللہ تعالیٰ سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب کر دیتی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں جب دوسرے صدقہ کریں کیونکہ ان کا لالچ دوسروں پر ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے لوگوں کو خیرات دینے سے بھی روک دیا کیونکہ وہ معاشرے کو دوسروں پر فیاض قرار دینے کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ہمیشہ لوگوں کو ناقص وجوہات کے ساتھ خیرات دینے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے خیراتی اداروں کو بطور فنکاروں کا لیبل لگانا۔ ان لوگوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت پر فیصلہ کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ پس اگر ان کا عطیہ کردہ مال اس وقت تک غریبوں تک نہیں پہنچتا جب تک کہ کوئی شخص کسی ثقہ کے ذریعے خیرات کرے۔ معروف صدقہ انہیں ان کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ باب 9 توبہ آیت 67:

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔ وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے " ...روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند کر لیتے ہیں

عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ کمزور ہے اور اللہ سے دعا کی کہ وہ مجھے مضبوط بنائے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4168 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مضبوط مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ محبوب ہے۔

یہ لازمی طور پر جسمانی طاقت کا حوالہ نہیں دیتا ہے جس کا استعمال اعمال صالحہ کے لیے کرتا ہے۔ لیکن اس سے مراد علم اور اس پر عمل کرنا بھی ہے۔ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اس سے یقین کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ جس کا ایمان پختہ ہو وہ اپنے علم کے مطابق اپنے فرائض ادا کرے گا اور کمزور مومن کی طرح اندھی تقلید نہیں کرے گا۔ ایک کمزور مومن سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کسی چیز پر یقین کرتا ہے جیسے کہ اسے بتایا گیا کہ کوئی شخص ان کے گھر کے اندر ہے جبکہ مضبوط مومن یقین رکھتا ہے اور علم کی بنیاد پر عمل کرتا ہے مثال

کے طور پر، اگر اس نے اپنے گھر کے اندر موجود شخص کو کھڑکی سے دیکھا۔ جس کا ایمان جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی صورت میں اس کی اطاعت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ان کی کامیابی میں اضافہ ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ”یہ حق ہے۔“

ایک خوبصورت خطبہ - 1

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 172 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو خلیفہ بنا کر لوگوں کے ساتھ امتحان لے رہا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ لوگوں کی آزمائش کر رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان یہ تھا کہ کیا وہ اچھے معاملات میں اپنے قائد کی اطاعت کریں گے یا نہیں؟

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء: آیت 59

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو " ...تم میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ جب وہ خود اس سے براہ راست معاملہ کر سکتے ہیں تو میں کسی اور کو معاملہ نہیں سونپوں گا۔

یہ خود مختار ہونے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو مخلوق سے بے نیاز ہو۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے گئے اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے چیزیں طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کم کر دیتی ہے۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ان کا رزق ان کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنی کوششوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ عطا فرمائے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ وہ کسی معاملے کو صرف اسی صورت میں سونپیں گے جب وہ خود اس سے براہ راست معاملہ نہ کر سکیں۔ وہ کسی ایسے شخص کو منتخب کرے گا جو قابل اور قابل اعتماد ہو۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے: کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ اگر وہ اپنے گورنروں کو اچھا کریں گے تو ان کو انعام دیں گے لیکن اگر وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کریں گے تو انہیں سزا دیں گے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

ایک خوبصورت خطبہ - 2

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ مندرجہ ذیل خطبہ کو امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 172-173 میں زیر بحث لایا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قرآن مجید کی باقاعدگی سے تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کی تاکہ وہ اس کے لوگوں میں شامل ہو جائیں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن کریم کے ساتھ اخلاص ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ قیامت کے دن حساب کتاب کرنے سے پہلے اپنا محاسبہ کریں۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے بہتر واقف نہیں ہے۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8

پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے " گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ اس دن عظیم پریڈ کے لیے تیار ہو جائیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عدالت میں پیش ہوں گے اور اس سے کوئی راز پوشیدہ نہیں رہے گا۔

قیامت کے دن کی تیاری میں ان نعمتوں کا استعمال شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیاوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیاوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اگر کسی شخص کا مطلب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو تو اس کی اطاعت نہیں ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے ”اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخر کار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے بحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

ایک خوبصورت خطبہ - 3

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ مندرجہ ذیل خطبہ امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 173-174 میں زیر بحث آیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ جیسا کہ وہ ان پر خلیفہ مقرر ہوئے ہیں، اس کی سختی صرف ظالموں اور جابروں پر لاگو ہوگی۔ وہ کسی کو دوسروں پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور انہیں حق کے تابع ہونے پر مجبور کرتا تھا۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت کی کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ میں عاجزی اور انکسار والوں کے سامنے عاجزی اختیار کرو۔

جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا تو اس کے درجات بلند ہوں گے۔ ایسا ہوتا ہے کیونکہ عاجزی اللہ کی بندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ عاجزی کا مخالف جو کہ فخر ہے صرف مالک یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز جو لوگوں کے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے پیدا اور عطا کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان غرور سے بچتا ہے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے عاجزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی ہے اور دونوں جہانوں میں حقیقی عظمت کی طرف لے جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے وعدہ کیا کہ وہ ان سے صرف وہی مال لیں گے جس کے لینے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔

ناجائز استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 :البقرہ، آیت 188

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ ”[لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے وعدہ کیا کہ وہ ان سے صرف وہی مال لیں گے جس کے لینے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔ پھر وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرے گا۔

یہ شرم کی بات ہے کہ نیک پیشروؤں کے زمانے سے حالات اتنے بدل گئے ہیں۔ ان دنوں جب وہ لیڈر بنے تو درحقیقت عوام کے خادم بن گئے اور عوام کا پیسہ اپنے ذاتی کاموں پر خرچ کرنے کے بجائے اپنا ذاتی پیسہ عوام پر خرچ کرتے۔ جبکہ آج کل قائدین اور شاہی خاندان عوام کی دولت خرچ کرنے کے بجائے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ قوم کے آقا ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح پیش روؤں کو اپنا رول ماڈل منتخب کریں اور ان کی خصوصیات کو اختیار کریں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کو ان تمام لوگوں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں جو ان کی دیکھ بھال میں ہیں جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا

مطلب ہے کہ انہیں اپنی ذاتی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور پھر اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ ان پر لازم ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کریں اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کریں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ان سب کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرو۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔ السلام علیکم باب: فاطر، آیت 28 35

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔ پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور

فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلاشبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے کا فرض یاد دلایا۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل و عیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ

صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں مخلصانہ نصیحت کرنا ان کا فرض یاد دلایا۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح اور خلوص کے ساتھ عام طور پر دیکھا جائے تو مشورہ دیں کیونکہ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث کے مطابق یہ اسلام کا ایک پہلو ہے۔ اپنے کردار کی بنیاد پر مشورہ لینے والے کا کردار۔ یہ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت ہے، جنہوں نے مختلف لوگوں سے ایک ہی چیز کے بارے میں سوال کرنے پر مختلف نصیحتیں فرمائیں۔ یہ اہم ہے کیونکہ لوگ مختلف ہوتے ہیں اور جو ایک شخص دوسرے کو برداشت کرنے کے قابل سمجھتا ہے وہ نہیں ہو سکتا اس لیے سائل کے کردار کی بنیاد پر مشورہ دینا بہتر ہے۔ یہ رویہ متعصبانہ رائے دینے کے امکانات کو کم کر دے گا جو ان کے اپنے کردار اور طرز زندگی کے مطابق ہے۔

اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں حلال معاملات میں یہ بہتر ہے کہ لوگوں کو براہ راست مشورہ نہ دیا جائے کہ کیا کرنا ہے، اس کے بجائے انہیں مشورہ دیا جائے اور ان کی مدد کی جائے کہ وہ ہر ممکنہ انتخاب کے فائدے اور نقصانات کی فہرست جمع کریں اور پھر اس فہرست کی بنیاد پر باخبر فیصلہ کریں۔ یہ زیادہ تر ممکنہ طور پر ایک بہتر اور تسلی بخش نتیجہ کی طرف لے جائے گا اور یہ مستقبل میں کسی شخص کو اپنے مشیر پر الزام لگانے سے روکتا ہے کیونکہ انہوں نے انہیں براہ راست مشورہ نہیں دیا تھا کہ وہ مخصوص آپشن کا انتخاب کریں۔

آخر میں، کسی شخص کو یہ تسلیم کرنے میں کبھی شرم نہیں آنی چاہیے کہ وہ کسی معاملے کے بارے میں غیر یقینی ہیں اور دوسروں کو مشورہ دینا چاہیے کہ اگر ضروری ہو تو کسی سے زیادہ اہل سے مشورہ لیں۔

ایک سادہ زندگی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے بعد، قوم کے امور کی دیکھ بھال نے انہیں اپنے اور اپنے خاندان کے لیے روزی کمانے سے مشغول کر دیا۔ اس کے بعد اسے معمولی تنخواہ دی گئی جس میں ایک سواری کا جانور، سردیوں کا لباس، گرمیوں کے لیے لباس، اپنے زیر کفالت افراد کے لیے کافی خوراک اور وہی رقم جو مدینہ میں کسی دوسرے مسلمان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 223 میں بحث کی گئی ہے۔

آج کے سیاست دانوں کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پرتعیش اجرت کا مطالبہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس سے باز آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں سادہ طرز زندگی اختیار کی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جاسکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

وفاداروں کا کمانڈر

ابتدا میں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سرکاری طور پر اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کا خلیفہ کہتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے گورنر کو حکم دیا کہ وہ اپنے پاس دو مسلمان بھیجیں جو انہیں اہل عراق کے حالات سے آگاہ کریں۔ جب وہ پہنچے تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کی اجازت چاہی اور انہیں وفاداروں کا سردار کہا۔ اس کے بعد اس نے یہ لقب اختیار کیا اور اس کے بعد آنے والوں نے بھی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 228-229 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس لقب کو صحیح معنوں میں مجسم اور پورا کیا جیسا کہ انہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی کی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے

کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3

”اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

لہذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

دوسروں کی رہنمائی کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ وہ لوگوں کو راہ راست پر لائے گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 174 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

رحم اور شفقت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران جو پہلا کام کیا ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ خواتین قیدیوں کو جو مرتد کی جنگوں کے دوران پکڑی گئی تھیں ان کو ان کے قبیلوں میں واپس کر دیں جو توبہ کر کے اسلام میں واپس آگئی تھیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 180 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ایسا نہ کریں لیکن انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس احسان کو ان قبائل تک پہنچا دیں جنہوں نے ارتداد کے بعد توبہ کی تھی۔ یہ ان مسلمانوں کو یاد دلانے کا طریقہ تھا جو مرتد کی جنگوں کے دوران اسلام پر ثابت قدم رہے تاکہ ارتداد سے توبہ کرنے والوں کے خلاف کسی قسم کے بُرے جذبات کو نہ چھوڑیں۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توبہ۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہیے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت

انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

نعمت یا لعنت

نتائج کے خوف سے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ خلیفہ ہیں یا بادشاہ۔ کسی نے جواب دیا کہ دونوں میں فرق ہے۔ خلیفہ صرف وہی چیزیں لیتا اور استعمال کرتا ہے جو عوام سے تعلق رکھتی ہیں۔ جبکہ ایک بادشاہ عوام کی چیزوں کا غلط استعمال کرتا ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خلیفہ کی طرح برتاؤ کیا نہ کہ بادشاہ۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 181 میں بحث کی گئی ہے۔

درحقیقت کامیابی اور ناکامی، نعمتوں اور لعنت میں فرق یہ ہے کہ کوئی شخص ان دنیاوی نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہے جنہیں اس نے اختیار دیا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ دنیاوی تعریفوں کے مطابق کسی صورت حال کو اچھے یا برے کے طور پر متعین نہ کریں۔ مثال کے طور پر، دنیاوی تعریف کے مطابق امیر ہونا اچھا ہے جبکہ غریب ہونا برا ہے۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے اور برے واقعات اور چیزوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرار دیں۔ یعنی ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب لے جائے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں وہ اچھی ہے خواہ دنیاوی نقطہ نظر سے اسے برا ہی کیوں نہ دیکھا جائے۔ اور ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دے وہ بری ہے خواہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام کی تمام تعلیمات میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر قارون ایک انتہائی دولت مند شخص تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رہتا تھا۔ اس وقت اور اب بہت سے لوگ اس کی دولت کو اچھی چیز سمجھتے ہیں لیکن جیسا کہ اس نے اسے غرور تک پہنچایا یہ اس کی تباہی کا ذریعہ بن گیا۔ تو اس کے معاملے میں دولت مند ہونا بری بات تھی۔ باب 28 القصص، آیات 79-81۔

پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دنیاوی زندگی کے خواہش مند “ تھے انہوں نے کہا کہ کاش ہم بھی ویسا ہی ہوتے جو قارون کو دیا گیا تھا، بیشک وہ بڑے خوش نصیبوں میں سے ہے، لیکن جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے: تم پر افسوس! اللہ کا اجر اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ اور یہ صبر کے سوا کسی کو نہیں ملتا۔ ”اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، اور اس کے لیے اللہ کے سوا اس کی مدد کرنے والی کوئی جماعت نہ تھی اور نہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنا دفاع کر سکتے تھے۔“

دوسری طرف اسلام کے تیسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی دولت مند تھے لیکن انہوں نے اپنی دولت کا صحیح استعمال کیا۔ درحقیقت ایک بار کثیر مال عطیہ کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اس دن کے بعد ان کے ایمان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 3701 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پس اس کے معاملے میں مال ایک اچھی چیز تھی۔

آخر میں، ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ہر مشکل کا سامنا کرتا ہے اس کے پیچھے حکمتیں ہوتی ہیں، خواہ وہ ان کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس لیے انہیں دنیاوی نقطہ نظر سے کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی اگر وہ چیز ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دے تو یہ اچھی ہے خواہ بُری لگے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

دوسروں سے مشورہ کرنا

اپنے پیشروؤں کی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی عوامی معاملات میں دوسروں سے مشورہ کرنے کے خواہش مند رہتے تھے۔ انہوں نے ایک بار کہا تھا کہ بغیر مشاورت کے فیصلے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ انہوں نے ایک بار یہ بھی کہا تھا کہ انفرادی رائے ایک دھاگے کی مانند ہوتی ہے، دو رائے دو جڑے دھاگوں کی طرح ہوتی ہیں اور تین کو توڑا نہیں جا سکتا۔ وہ دوسروں کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنے کی نصیحت کرے گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے فوجی کمانڈروں کو مشورہ دیتا کہ وہ اپنی فوج کے اعلیٰ ارکان خصوصاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 182-183 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43

”پس اہل پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔“

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں

گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں: اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

اچھے ساتھی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دوسروں کو صرف اچھی صحبت حاصل کرنے کی تلقین کرتے تھے کیونکہ بری صحبت دونوں جہانوں میں بہت سے مسائل کا باعث بنتی ہے۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے ایک گورنر سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مخلص دوست اپنائیں اور جھوٹوں سے بچیں کیونکہ وہ اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتے، چاہے وہ کبھی کبھار سچ ہی کیوں نہ بولیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 184 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلانے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67

”اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔“

اہل قرآن

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والوں کو اپنے قریب رکھتے تھے تاکہ ان سے مشورہ لیا جا سکے۔ اس نے ان کی عمر، سماجی حیثیت یا کسی دوسرے دنیاوی لیبل کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے بہت سے نوجوان باقاعدگی سے جمع ہوتے اور لوگوں کے معاملات میں عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 185 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قرآن پاک کے لوگ وہ نہیں تھے جو محض اس کی تلاوت کرتے تھے بلکہ اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ مسلمانوں کو اس طرز عمل کی کوشش کرنی چاہیے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظر انداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے رہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل

کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ”ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

علم کے درجات

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں علم کے صحیح درجات کے مطابق امور ملت کو چلانے میں انتھک محنت کی۔ مطلب، قرآن کریم کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر امام محمد کی روایات، اہل علم کا باہمی اتفاق اور شاذ و نادر صورتوں میں، آزاد استدلال۔ السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 186-188 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو باہمی اتفاق اور آزادانہ استدلال سے بالاتر رکھتے تھے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 20 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس عمل کی وضاحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ایک واقعہ میں ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر آپ پر مقدمہ پیش کیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر قرآن پاک میں مقدمہ اور اس کا فیصلہ نہ ملے تو کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ اپنی روایات میں نہ ملے تو کیا ہو گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں جواب دیا کہ وہ آزاد استدلال کے معنی استعمال کریں گے، ایسا فیصلہ جو قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی کہ اس نے انہیں

ایک ایسا نمائندہ دیا جس سے وہ خوش ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیر جانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

انصاف سب کے لیے

اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک، جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ برقرار رکھا، سب کے لیے عدل تھا، خواہ ان کا عقیدہ ہو یا پس منظر۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار ایک مسلمان کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اُس نے اُن کے عقیدے میں اختلاف کو نہیں دیکھا اور ثبوت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 191 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے ”اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے بحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی

سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

مساوات

اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک، جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ برقرار رکھا، سب کے لیے انصاف تھا، خواہ ان کے عقیدے یا پس منظر سے قطع نظر۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ مصر کا ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ اس کے گورنر کے بیٹے نے اپنی شرافت پر فخر کرتے ہوئے اسے ناحق مارا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً مصر کے اپنے گورنر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو مدینہ طلب کیا۔ جب وہ پہنچے تو اس نے مصری کو حکم دیا کہ اس کا بدلہ گورنر کے بیٹے سے لے۔ پھر اس نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے گورنر کو بھی مارے لیکن مصری شخص نے انکار کر دیا کیونکہ اسے مارنے والا صرف بیٹا تھا نہ کہ باپ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اپنے گورنر عمرو رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، جس نے جواب دیا کہ مجھے اس معاملے کا علم نہیں ہے کیونکہ مصری شخص نے ان سے شکایت نہیں کی۔ امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 191-192 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پرہیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

راکھ کا سال (قحط)

ایک جسم

ان کی خلافت کے دوران مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں قحط پڑا۔ اس سال کو راکھ کا سال کہا جانے لگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک گھی، دہی یا دودھ نہ کھانے کی قسم کھائی جب تک کہ تمام لوگ ان چیزوں کو کھانے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ یہاں تک کہ جب ایک شخص نے ان کے سامنے یہ چیزیں پیش کیں تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ جب وہ لوگوں کی تکلیفوں کو محسوس نہیں کر رہے تھے تو انہیں ان کی فکر کیسے ہو سکتی ہے۔

ایک اور موقع پر اس کے پاس ذبح شدہ اونٹ کے بہترین حصے لائے گئے لیکن اس نے اسے کھانے سے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ اگر اس نے بہترین اعضاء کھایا تو وہ برا حکمران ہو گا جب کہ اس کے لوگ اس سے بدتر حصے کھائیں۔ اس کے بجائے اس نے زیتون کے تیل میں بھیگی ہوئی روٹی کھائی۔

یہاں تک کہ وہ اپنے گورنروں کو بھی اسی معیار کا کھانا کھانے کا حکم دیتا جو عام لوگ کھاتے ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 193-195 میں بحث کی گئی ہے۔

اس نے ہمیشہ اس بات کو یقینی بنایا کہ اس کا خاندان کسی دوسرے خاندان کی طرح زندگی گزارے۔ راکھ کے سال میں اس نے اپنے بیٹے کو تربوز کھانے سے روکا اور بتایا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار بھوکے مر رہے ہوں تو وہ پھل کیسے کھا سکتا ہے۔ اسے

مسلمانوں کی اتنی فکر تھی اور اس نے اپنے اوپر ایسی پابندیاں لگائیں کہ لوگوں کو ان کی موت کا اندیشہ تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 411-412 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

شرافت

اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک، جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ برقرار رکھا، سب کے لیے انصاف تھا، خواہ ان کے عقیدے یا پس منظر سے قطع نظر۔ اپنی خلافت کے دوران، عمر رضی اللہ عنہ، حج کے لیے مکہ آئے اور مکہ کے ایک باشندے صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے ان کی میزبانی کی۔ بعد میں کچھ نوکر تھے جو کھانا پیش کرنے کے بعد کھڑے رہے اور ان کے ساتھ کھانا نہ کھایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ ان کے ساتھ کیوں نہیں آئے اور صفوان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کھانا صرف ان کے لیے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصے سے اسے ڈانٹا اور نوکروں کو کھانے کا حکم دیا جب کہ وہ کھانے سے باز رہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 194 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر غسان کے ایک قبائلی سردار نے اسلام قبول کیا اور مدینہ تشریف لے گئے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ احترام سے پیش آیا۔ اس کے بعد یہ قبائلی رہنما مکہ کی طرف روانہ ہوا اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک غریب اعرابی نے غلطی سے اس کے نچلے کپڑے پر قدم رکھ دیا جس کے نتیجے میں قبائلی رہنما اعرابی کی ناک کو ٹکر مار کر ٹوٹ گیا۔ زخمی اعرابی نے عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ جب اس نے قبائلی سردار کو بلوایا اور اسے حکم دیا کہ یا تو اعرابی کو معاوضہ دے یا برابر بدلہ لینے کے لیے تیار ہو جائے تو قبائلی سردار نے چونک کر جواب دیا کہ وہ بادشاہ ہے اور بدو عام غریب ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یاد دلایا کہ اسلام میں وہ برابر ہیں۔ قبائلی رہنما نے سوچنے کا وقت مانگا اور چپکے سے مکہ سے فرار ہو کر مرتد ہو گیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 197-198 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پرہیزگار ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

قانون سب پر لاگو ہوتا ہے۔

مصر کے گورنر عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن کو شراب پینے کی قانونی سزا کا نفاذ کیا۔ عام طور پر یہ قانونی سزائیں سرعام دی جاتی ہیں تاکہ دوسروں کو ایسے جرائم سے باز رکھا جاسکے، لیکن اس معاملے میں سزا اس کے اپنے گھر میں ہی دی جاتی تھی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے گورنر کو ایک خط لکھا جس میں ان کے حکم کے مطابق قانونی سزا کو صحیح طریقے سے انجام نہ دینے پر سخت تنقید اور دھمکی دی گئی۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے قانون کی بات ہو تو اسے لوگوں کے ساتھ کبھی ترجیحی سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اس نے اسے اپنے بیٹے کو مدینہ بھیجنے کا حکم دیا، جہاں اس نے اس پر دوبارہ قانونی سزا سنائی۔ امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 196-197 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

خراب عناصر کو بٹانا

اگرچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی سرزمین میں رہنے والے غیر مسلموں کے لیے مذہبی آزادی کو یقینی بنایا لیکن کسی کو بھی اپنے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو توڑنے کی اجازت نہیں دی۔ خیبر اور نجران میں رہنے والے غیر مسلموں نے ان شرائط پر عمل نہیں کیا جن پر وہ راضی تھے اور ان کے مذموم عزائم کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی سرزمین سے نکال دیا۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ایک دفعہ حملہ ہوا اور وہ شدید زخمی ہو گئے جب وہ خیبر میں اپنی جائداد پر تشریف لے گئے۔ بقیہ غیر مسلم جنہوں نے ان کے منصوبوں میں حصہ نہیں لیا وہ امن میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ جب اس نے انہیں نکال دیا تو اس نے یقینی بنایا کہ انہیں دولت اور نئی جائیدادوں سے معاوضہ دیا جائے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 206-208 میں بحث کی گئی ہے۔

کمیونٹی کی حفاظت کے لیے برے عناصر کو کمیونٹی سے نکالنا ضروری ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح

جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل و عیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

تعلیم کی اہمیت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ میں نے لوگوں پر گورنر اس لیے مقرر نہیں کیے کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں، ان کی عزت پر بہتان لگائیں یا ان کے مال پر قبضہ کریں۔ بلکہ اس نے انہیں اس لیے مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم دیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 210 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے

کا امکان کم ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

دوسروں کی حفاظت کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ میں نے لوگوں پر گورنر اس لیے مقرر نہیں کیے کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں، ان کی عزت پر بہتان لگائیں یا ان کے مال پر قبضہ کریں۔ بلکہ اس نے انہیں اس لیے مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم دیں۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر ان کے گورنر کے ذریعہ کسی شخص پر ظلم ہوا ہے تو وہ اس کے پاس آئیں اور وہ معاملہ طے کر لیں گے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 210 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی اہمیت کو سمجھا۔

صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ کامیابی صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق، جیسے فرض نماز، اور لوگوں کے حقوق کو ادا کرے۔ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔

سچا مومن اور مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے نفس اور مال سے ان کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل یا الفاظ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کے مال کا احترام کرنا چاہیے اور انہیں غلط طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، مثال کے طور پر، قانونی معاملے میں۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ اس نے حاصل کی ہوئی چیز درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مال کو صرف ان کی خواہش کے مطابق استعمال کریں اور انہیں اس طریقے سے واپس کریں کہ اس کے مالک کی خوشنودی ہو۔

غیبت یا غیبت جیسے فعل یا تقریر سے کسی مسلمان کی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی عزت کا دفاع کرے خواہ ان کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں کیونکہ یہ جہنم کی آگ سے ان کی حفاظت کا باعث بنے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہوئے اپنے نفس، مال یا عزت پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ جس طرح کوئی اسے اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے اور اسے اپنے عمل اور تقریر سے ثابت کرنا چاہیے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن کی نشانی ہے۔

منصفانہ سلوک

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ تمام لوگوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے ساتھ جن پر حکام کی طرف سے جرائم کا شبہ ہو۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا تھا کہ اگر کوئی شخص خوفزدہ، حراست میں اور بھوکا رہتا ہے تو وہ اس جرم کا اعتراف کر سکتا ہے جو اس نے نہیں کیا تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 210 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ منصفانہ سلوک کریں۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

آزادی اظہار

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ لوگ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں، چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ اس نے اس پر اتنا زور دیا کہ ایک بار اس نے لوگوں کو کھلے عام اعلان کر دیا کہ اگر وہ ان سے کوئی انحراف دیکھیں تو وہ اسے سیدھا کر دیں۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اعلان کیا کہ وہ اسے اپنی تلواروں سے سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی کہ وہ ایسے لوگوں سے گھرے ہوئے ہیں۔

ایک اور موقع پر انہوں نے تبصرہ کیا کہ انہیں سب سے زیادہ عزیز وہ ہے جو اس کے عیبوں کی نشاندہی کرے۔

اس نے ایک بار یہ بھی کہا تھا کہ اسے خدشہ ہے کہ وہ فیصلے میں غلطی کرے گا اور کوئی بھی اس کے احترام کی وجہ سے اسے درست نہیں کرے گا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لوگ اسے خاموش کرنا چاہتے تھے پھر بھی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو اچھی بات نہیں کہتے اور ان لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں جو اچھی بات کو نہیں سنتے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 213-214 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر کوئی صالح پیشواؤں کی زندگیوں کا مطالعہ کرے تو ان میں اور آج کے مسلمانوں میں بہت سے فرق نظر آئیں گے۔ ایک بڑا فرق یہ ہے کہ لوگوں کا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے والوں کو جواب دینے کا طریقہ ہے، جو ان کے علم کے مطابق تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس رویے کی تبدیلی کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ لوگوں کے

درمیان بڑھتے ہوئے بہت سے جھگڑوں اور دشمنیوں کو روک سکتا ہے۔ ماضی میں مسلمان ان لوگوں سے محبت کرتے تھے جو انہیں نیکی کی تلقین کرتے تھے اور برے کاموں سے خبردار کرتے تھے۔ درحقیقت وہ کسی کو اس وقت تک مخلص دوست نہیں سمجھتے تھے جب تک کہ وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں۔ وہ درحقیقت ان لوگوں سے بھی محبت کرتے تھے جو انہیں ایسی چیزوں کی نصیحت کرتے تھے جنہیں اسلام میں گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ صرف ناپسندیدہ چیزیں تھیں۔ یہ وہ بڑی تبدیلی ہے جو آئی ہے۔ آج کل بہت سے مسلمان اس انداز میں تعمیری تنقید کو ناپسند کرتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں جہاں غیر قانونی چیزیں واقع ہو رہی ہوں یہ ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی اور مہربانی کے ساتھ اس کے خلاف تنبیہ کرے خواہ دوسروں کو ان کا طرز عمل ناپسند ہو۔ لیکن اکثر صورتوں میں جہاں دوسرے گناہ نہیں کر رہے بلکہ محض ناپسندیدہ کاموں کا ارتکاب کر رہے ہیں، ایک مسلمان کے لیے بہتر ہے کہ وہ ان پر تنقید نہ کرے کیونکہ اس سے صرف دشمنی، جھگڑے ہی جنم لیں گے اور یہ نصیحت ترک کرنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ دوسروں کو ان کے منفی ردعمل کی وجہ سے۔ مستثنیٰ اس وقت ہوتا ہے جب نصیحت کرنے والے کو اس طرح مشورہ دیا جانا پسند ہو۔ لہذا جو مسلمان اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہتا ہے اور دوسروں کے ساتھ جھگڑے سے بچنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور حرام سے تنبیہ کرے لیکن ان دو قسموں میں سے نہ آنے والی چیزوں کو چھوڑ دے۔

مساوی سلوک

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ نہ سنیں گے نہ مانیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اطمینان سے اس سے کہا کہ وہ اپنی وضاحت کرے۔ اس شخص نے بیان کیا کہ سرکاری خزانے سے ہر شخص کو ایک ایک کپڑا دیا گیا تھا جبکہ عمر رضی اللہ عنہ دو کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو بلوایا، جس نے گواہی دی کہ اس نے اپنے والد کو اپنا ایک کپڑا بطور تحفہ دیا تھا۔ جب لوگ مطمئن ہو گئے تو اس آدمی نے جواب دیا کہ وہ اس کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 214-215 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا اصول اپنایا، الا یہ کہ کوئی واضح وجہ نہ ہو کہ بعض کو ترجیحی سلوک کرنا چاہیے، جیسے کہ معذور افراد۔

کوئی بھی اس ذہنیت کو دوسروں کے ساتھ سلوک کر کے اپنا سکتا ہے کہ وہ لوگوں کے ذریعہ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب

تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بُری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت

ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطفین، آیت 26

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔۔۔"

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حق کو قبول کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے، قطع نظر اس کے کہ یہ کہاں سے یا کس سے آیا ہے۔ اس نے ایک بار دیکھا کہ لوگ کس طرح اپنی دلہنوں کو بڑی مقدار میں جہیز دے رہے تھے اور ڈرتے تھے کہ اس سے لوگوں کے لیے شادی کرنا مشکل ہو جائے گا۔ نتیجے کے طور پر اس نے اس پر حد لگانے کا عزم کیا۔ ایک خطبہ کے دوران اس نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر کوئی اس کی مقرر کردہ حد سے زیادہ رقم دے گا تو وہ اضافی رقم ضبط کر کے سرکاری خزانے میں ڈال دے گا۔ اس کے بعد ایک عورت کھڑی ہوئی اور قرآن پاک کی ایک آیت کا حوالہ دے کر اس کے فیصلے پر اعتراض کیا جس میں بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص جو چاہے جہیز دے سکتا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 20

لیکن اگر تم ایک بیوی کو دوسری بیوی سے بدلنا چاہتے ہو اور تم نے ان میں سے ایک کو بہت ” زیادہ رقم [جہیز میں] دی ہو تو اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا آپ اسے ظلم اور صریح گناہ میں لیں گے؟

اگرچہ یہ آیت کسی کو زیادہ جہیز دینے کی ترغیب نہیں دیتی، لیکن اس سے کم بھی نہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے قبول کیا کہ وہ غلط تھا اور عورت صحیح تھی اور اس لیے کھلے عام اپنے ابتدائی فیصلے کو پلٹ دیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

ضد کی بنا پر حق کو جھٹلانا فخر کی علامت ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ

فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

نفرت بمقابلہ آزادی اظہار

آج کے بہت سے لوگوں کے برعکس، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آزادی اظہار اور معاشرے میں نفرت پھیلانے کے درمیان فرق کو سمجھا۔ اظہار رائے کی آزادی کسی کو یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ ظلم و ستم کے خوف کے بغیر پرامن اور احترام کے ساتھ اپنی تعمیری تنقید کو آواز دے سکے۔ جبکہ نفرت پھیلانے میں غیر تعمیری تنقید اور لوگوں اور ان کے عقائد کی توہین کرنا شامل ہے۔ آزادی اظہار کا مقصد برادریوں کے درمیان سرحدوں کو ختم کرنا ہے اور اس کے بجائے ان کے درمیان رشتوں کو مضبوط کرنا ہے تاکہ سب کو فائدہ ہو۔ جبکہ نفرت پھیلانے کا مطلب الٹا ہوتا ہے، یہ برادریوں کے درمیان تقسیم پیدا کرتا ہے اور انتشار کا باعث بنتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے آزادی اظہار اور نفرت پھیلانے کے خلاف کھڑے ہونے کے اسلامی اصولوں کو برقرار رکھا۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار ایک شخص کو کھلم کھلا اور مسلسل ایک مسلمان پر بہتان لگانے پر قید کر دیا۔ بالآخر اس نے اس شخص کو آزاد کر دیا جب اس نے معاشرے میں ایسی نفرت نہ پھیلانے کا وعدہ کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 217 میں بحث کی گئی ہے۔

حد سے زیادہ تعریف کرنا

ایک شخص نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ان کی غربت دیکھ کر کہا کہ میں خلیفہ ہونے کی وجہ سے بہترین کھانے، عمدہ سواری اور عمدہ لباس کا سب سے زیادہ حقدار تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر تنقید کی کیونکہ وہ صرف اسے خوش کرنا چاہتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 224 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2662 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کی تعریف کرنے سے منع فرمایا۔

یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے کیونکہ اگر تعریف جھوٹ پر مبنی ہو تو سب سے پہلے گناہ ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر لوگوں کی خاص طور پر تعریف کرنا درست ہے، تو جاہل ان کے غرور کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ ایک بری صفت ہے کیونکہ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حد سے زیادہ تعریف کرنے سے تعریف کرنے والے کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی صلاحیت پوری کر دی ہے، اس لیے اس کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کی تعریف سے بے وقوف نہیں بننا چاہئے کیونکہ وہ ان کے اعمال اور باطن میں چھپے ہوئے کردار کو کسی دوسرے شخص سے بہتر جانتے ہیں۔ اس پر اور ان گنت بار غور کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب کو لوگوں سے چھپایا ہے، انہیں غرور سے روکنا چاہیے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو قابل تعریف صفت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے انہیں عطا نہیں کی، اس لیے تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اس طرح استعمال کرتے ہوئے اللہ

تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار بن جائے جو اس کو خوش کرتے ہیں۔ وہ بجائے اس کے کہ دوسروں کو اس حدیث کے بارے میں نصیحت کریں اور تنبیہ کریں کہ وہ دوسروں کی زیادہ تعریف نہ کریں۔

صرف بعض صورتوں میں دوسروں کی تعریف قابل قبول ہوتی ہے اور اس میں ان کی زیادہ تعریف نہ کرنا، سچائی پر قائم رہنا شامل ہونا چاہیے اور یہ اس لیے کیا جانا چاہیے تاکہ وہ مزید اچھے کام کرنے کی ترغیب دیں۔ یہ خاص طور پر بچوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے کہ، ان کے اسکول کے کام کے سلسلے میں ان کی تعریف کرنا، اچھے برتاؤ اور اسلام کے فرائض کو پورا کرنا۔

امانتدار

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو سمجھا دیا جس نے انہیں زیادہ پرتعیش زندگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی کہ لوگوں کے ساتھ اس کی مثال سفر پر نکلنے والے لوگوں کے گروہ کی ہے۔ لوگوں نے اپنا مال ایک شخص کو دے دیا اور اس سے کہا کہ ضرورت پڑنے پر خرچ کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تب تبصرہ کیا کہ اس شخص کے لیے یہ صحیح نہیں کہ وہ اس مال کو اپنے اوپر خرچ کرے اور دوسروں کو نظر انداز کرے۔ یہ اس کی اور اس کی قوم کی مثال تھی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 224 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے: کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔

لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسلامی کیلنڈر

ایک دفعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک دستاویز ملی جس پر صرف مہینہ لکھا ہوا تھا۔ لہذا، وہ دستاویز کا حوالہ دینے والے سال پر کام نہیں کر سکا۔ اس کے بعد اس نے ایک اسلامی کیلنڈر بنانے کے لیے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان کا کیلنڈر اس وقت سے شروع ہونا چاہیے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 225-227 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اتحاد کا ایک اور عمل تھا، جو عمر رضی اللہ عنہ کے زیر انتظام تھا، کیونکہ اس وقت کے لوگ ماضی کے واقعات کی بنیاد پر وقت کا فیصلہ کرتے تھے، جن میں سے کچھ کا تعلق زمانہ جاہلیت سے تھا۔ اسلامی کیلنڈر متعارف کرانے سے اس سے گریز کیا گیا اور اس کے بجائے مسلمانوں کو متحد کیا۔

مسلمانوں کو اپنے درمیان اتحاد پیدا کرنے کے لیے تمام اقدامات کرنے چاہئیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔

اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیاوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک

مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تنہیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں: وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا 4094 ہے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی

تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

قیامت کے دن کا خوف

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روز قیامت پر مسلسل غور و فکر کرتے اور عملی طور پر اس کی تیاری کے لیے بھرپور کوشش کرتے۔ ایک دیہاتی نے اس سے کچھ مال مانگا اور اسے یاد دلایا کہ قیامت کے دن اس کی قیادت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جس دن جنت اور جہنم کے علاوہ کوئی منزل نہیں تھی۔ اس سے عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 230 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کے رویے کی تقلید کرنی چاہیے تاکہ وہ عملی طور پر روز حشر کی تیاری کر لیں اس سے پہلے کہ ان کا وقت ختم ہو جائے۔

صور پھونکا مخلوق کی موت کا باعث بنے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7381 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جاننے کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسی اذان ہے جس کا جواب نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ ہی رد کرے گا۔ یہ قیامت اور آخری فیصلے کی طرف لے جائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ باب 8 انفال، آیت 24

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کی بات مانو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے "

"جو تمہیں زندگی بخشی ہے۔"

جو بھی اس دنیا میں اس پکار کا جواب دے گا وہ آخری پکار کو برداشت کرنے اور اس کا جواب دینے میں آسان پائے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی پکار سے غافل رہنے والے کو اس دنیا میں سکون

نہیں ملے گا اور وہ صور کی پکار پر لبیک کہنے پر مجبور ہوں گے جو ان کے لیے برداشت کرنا اور اس پر لبیک کہنا بہت بڑا بوجھ ہوگا۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی پکار کو صرف اس وقت تک نظر انداز کر سکتا ہے جب تک کہ آخری دعوت جلد یا بدیر واقع ہو گی اور کوئی بھی اس سے بچنے یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اگر یہ ناگزیر ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی غفلت میں رہنے کے بجائے آج ہی اس کا جواب دے۔ اگر کوئی صور پھونکنے کی آواز سنتا ہے اور غافل ہوتا ہے تو کوئی عمل یا پشیمانی اس کو فائدہ نہیں دے گی اور اس کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا۔

خود کا ذخیرہ لینا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے اعمال پر مسلسل غور کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کی عادت تھی۔ وہ ایک بار بازار سے گزرا اور کسی کو اپنے راستے سے ہٹتے کو کہا اور اپنی چھڑی سے اپنے کپڑے کا کنارہ کھینچ لیا۔ اگلے سال اس نے اسی آدمی کو دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا وہ حج کرنے جا رہے ہیں؟ جب اس شخص نے مثبت جواب دیا تو عمر رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لے گئے اور چاندی کے 600 سکے دیے اور کہا کہ وہ اپنی ضرورت پر خرچ کرو اور کہا کہ یہ مال پچھلے سال کے لیے ہے۔ بازار میں اس شخص نے جواب دیا کہ میں جو کچھ ہوا اسے بالکل بھول گیا ہوں اور عمر رضی اللہ عنہ نے آخر کار جواب دیا کہ میں کبھی نہیں بھولا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 231-232 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا لیکن موقع ملنے پر اپنے عمل کو درست کر لیا۔ اس نے سمجھا کہ کفر کے بعد سب سے خطرناک عمل دوسروں پر ظلم کرنا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک

حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ترازو

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قیامت کے دن اپنے احتساب سے ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا تھا کہ اگر فرات کے کنارے (اسلامی قوم کے کنارے) (ایک بھیڑ کا بچہ مر جائے تو وہ ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جوابدہ ہو گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 232 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے بہتر واقف نہیں ہے۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8

پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے "
گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

آگ سے بچنا

اپنے آپ کو جہنم کی یاد دلانے اور عملی طور پر اس سے بچنے کی کوشش کرنے کے لیے، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آگ جلاتے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھتے اور اپنے آپ سے پوچھتے کہ کیا آپ اسے برداشت کر سکتے ہیں؟ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 234 میں بحث کی گئی ہے۔

یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ درحقیقت ہر وہ شخص جو جہنم میں جائے گا وہ آگ لے گا، جس کا سامنا وہ جہنم میں کرے گا، اس دنیا سے اپنے گناہوں کی صورت میں۔ جب کوئی مسلمان اس حقیقت کو اپنے ذہن میں نقش کر لے گا تو وہ ہر گناہ، بڑے یا چھوٹے، کو ناقابل برداشت آگ کے ٹکڑے کی طرح دیکھے گا۔ جس طرح انسان دنیا میں آگ سے بچتا ہے اسے گناہوں سے بچنا چاہیے کیونکہ گناہ درحقیقت چھپی ہوئی آگ کی مانند ہیں جو آخرت میں اسے دکھائی جائے گی۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو غافل نہیں رہنا چاہئے اور اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ وہ اس زبانی تائید کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ، بزرگوار، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اعمال کے ساتھ اعلان۔ اگر یہ سچ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اتنی محنت نہ کرتے اور وہ بلاشبہ اسلام اور یوم آخرت کو اپنے بعد کے لوگوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ سیدھے الفاظ میں، عمل کے بغیر محبت کا اعلان کسی کو جہنم سے نہیں بچا سکتا۔ درحقیقت یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ بعض مسلمان قیامت کے دن جہنم میں داخل ہوں گے۔ جو مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ ان کا یہ رویہ موت سے پہلے ان کے ایمان کو کھونے کا سبب بن سکتا ہے تاکہ وہ قیامت میں ایک غیر مسلم کی حیثیت سے داخل ہو جائیں جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

اسی طرح بغیر زرہ اور ڈھال کے جنگ میں داخل نہیں ہو گا ایک مسلمان کو اعمال صالحہ کی زرہ اور ڈھال کے بغیر قیامت کے دن داخل نہیں ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر، جس طرح سپاہی کے

پاس کوئی حفاظت نہیں ہے، اسی طرح اس کو نقصان پہنچے گا، اسی طرح ایک مسلمان جو قیامت تک پہنچے گا، بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس سے پرہیز کرنا شامل ہے۔ اس کی ممانعتوں اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ مادی دنیا کی آسائشوں اور لذتوں سے وہ لطف اندوز نہیں ہوں گے اگر وہ جہنم میں ختم ہو جائیں۔ درحقیقت، یہ صرف انہیں بدتر محسوس کرے گا

درست ادراک

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک بار کچرے کے ڈھیر سے گزرے اور وہاں کھڑے ہو کر غور و فکر کر رہے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھی اسے ناپسند کرتے ہیں جو وہ کر رہا تھا اس نے تبصرہ کیا کہ یہ اس دنیا کا نتیجہ ہے جس کی وہ بہت پرواہ کرتے ہیں اور ذخیرہ اندوزی کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ اس کا نتیجہ تھا جس پر وہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور اپنی ضروریات کے لیے انحصار کرتے تھے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ میں بحث کی گئی ہے۔ الاولیاء، نمبر 72

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابدی آخرت اور عارضی مادی دنیا کے فرق کو صحیح تصور کو اپناتے ہوئے سمجھا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا

پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔
باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ”یہ حق ہے۔“

عارضی بمقابلہ ابدی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار نصیحت کی کہ وہ غور و فکر کریں اور یہ جان لیں کہ اگر وہ اس دنیا میں سکون چاہتے ہیں تو وہ آخرت میں اپنے دائمی سکون کو نقصان پہنچائیں گے۔ اور اگر وہ آخرت چاہتا ہے تو اسے دنیا میں (زیادہ سے زیادہ) آسائش کو ترک کرنا ہوگا۔ اس لیے اس نے عارضی ٹھکانہ ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس زندگی میں (مستقل امام میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ آخرت کی خاطر (تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنا یقیناً بہتر ہے۔ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 79۔

جب لوگ، خواہ ان کے عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، چھٹی پر جاتے ہیں تو وہ صرف اپنی ضرورت کی چیزیں پیک کرتے ہیں اور شاید تھوڑا سا اضافی لیکن وہ اوور پیکنگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھ جو رقم بھی لے جاتے ہیں وہ اپنے بیرون ملک قیام کے حوالے سے محدود کرتے ہیں۔ جب وہ آتے ہیں تو وہ اکثر ایسے ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں جس میں عام طور پر چند ایکسٹرا کے ساتھ رہنے کی بنیادی ضروریات ہوتی ہیں۔ اگر انہیں یقین ہے کہ وہ مستقبل میں کبھی بھی اسی منزل پر واپس نہیں آئیں گے تو وہ کبھی گھر نہیں خریدیں گے کیونکہ وہ دعویٰ کریں گے کہ ان کا قیام مختصر ہے اور وہ واپس نہیں آئیں گے۔ انہیں چھٹیوں کے دوران یہ دعویٰ کرتے ہوئے کوئی نوکری نہیں ملتی کہ ان کا قیام مختصر ہے لہذا انہیں زیادہ پیسے کمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شادی نہیں کرتے اور نہ ہی بچوں کا دعویٰ کرتے ہیں کہ چھٹیوں کی منزل ان کا وطن نہیں ہے جہاں وہ شادی کریں گے اور بچے ہوں گے۔ عام طور پر، یہ چھٹی بنانے والوں کا رویہ اور ذہن سازی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان واقعی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہنا بھی عارضی ہے جیسا کہ چھٹیوں پر ہوتا ہے، اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا آخرت میں قیام ہمیشہ کے لیے ہے، لیکن وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتے۔ اگر انہیں واقعی یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے پاس کم وقت ہے، اسی طرح چھٹی کی طرح، تو وہ اپنے گھروں پر زیادہ محنت نہیں کریں گے اور اس کے بجائے ایک سادہ گھر پر مطمئن رہیں گے جیسا کہ مسافر جو ایک سادہ ہوٹل سے مطمئن ہے۔ تو حقیقت میں، یہ دنیا مثال کے طور پر ابھی تک چھٹیوں کی منزل کی طرح ہے، مسلمان اسے ایک جیسا نہیں سمجھتے۔ اس کے بجائے، وہ ابدی آخرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی دنیا کو سنوارنے

میں اپنی زیادہ تر کوششیں وقف کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان درحقیقت دائمی آخرت پر یقین رکھتے ہیں جب کوئی دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی دنیا کے لیے کتنی کوششیں کرتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور دنیا کی ضروریات کے حصول اور اس سے استفادہ کرنے پر راضی رہتے ہوئے صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6416 میں مسلمانوں کو اس دنیا میں مسافروں کی طرح زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چھٹی کی منزل

درخت کا سایہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران اس کے لیے اس کوئی خیمہ نہیں لگایا گیا بلکہ اس نے درخت پر چادر یا چٹائی ڈال کر اس کے نیچے سایہ کیا۔ پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 237 میں بحث کی گئی ہے۔

وہ حقیقی معنوں میں اس مادی دنیا میں ایک مسافر کے طور پر جیتا تھا، بالکل اسی طرح جیسے اس سے پہلے اس کے پیشرو تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2377 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ وہ اس مادی دنیا کی زیادتی کی فکر نہیں کرتے اور اس دنیا میں اس کی مثال ایک سوار کی ہے ایک درخت کے سائے میں مختصر آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ کر اسے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

درحقیقت ہر شخص ایک مسافر ہے جو اس دنیا میں بہت ہی محدود مدت کے لیے ٹھہرتا ہے اس کے مقابلے میں جہاں سے وہ معنویت، روحوں کی دنیا اور جس طرف جا رہا ہے وہ ابدی آخرت ہے۔ درحقیقت اس کے مقابلے میں یہ دنیا بس اسٹاپ پر انتظار کرنے کی طرح ہے۔ اس حدیث میں اس دنیا کو سایہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سایہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا اور لوگوں کے نوٹس لینے کے بغیر جلدی ختم ہو جاتا ہے جس طرح انسان کے دن اور راتیں گزر جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر سرائے یا ہوٹل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ٹھوس ڈھانچے ہیں جو مستقل ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک دھندلا سایہ اس مادی دنیا کو بہتر طور پر بیان کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی بوڑھا کیوں نہ ہو وہ ہمیشہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک لمحے کی طرح چمکتی اور محسوس ہوتی ہے۔ باب 79 نزیات، آیت 46

”جس دن وہ (قیامت کا دن) دیکھیں گے، ایسا ہو گا کہ گویا وہ (دنیا میں) (ایک دوپہر یا صبح کے ”
“سوا باقی نہیں رہے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوار کی طرف اشارہ فرمایا نہ کہ چلنے والا کیونکہ
پیدل چلنے والا درخت کے سائے میں سوار سے زیادہ آرام کرتا ہے۔ یہ مزید بتاتا ہے کہ لوگ اس
دنیا میں کتنے محدود وقت گزارتے ہیں۔

سایہ میں آرام کرنا اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مادی دنیا کو صحیح طریقے
سے استعمال کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے جس طرح سوار اپنی
ضرورت کا سامان لیتا ہے، یعنی آرام۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات
کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا
مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کرتے ہوئے اس دنیا سے فوراً رخصت ہونے کی تیاری کرے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ
انسان کو آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا کو استعمال کرنا چاہیے۔ سوار آرام کرتا ہے اور
مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ چیزیں اکٹھی کریں جو ان کے لیے آخرت میں فائدہ مند ہوں، بجائے اس
کے کہ اپنا وقت غیر ضروری چیزوں کے لیے وقف کریں جو انہیں قیامت کے دن خالی ہاتھ
:چھوڑے گی۔ باب 89 الفجر، آیات 23-24

اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کو یاد کیسے آئے گا؟ وہ کہے ”
گا، کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

کمپنی آف دی گریٹ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک بار زیادہ آرام دہ زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی۔ اس نے جواب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشکل اور سادہ زندگیوں کا تذکرہ کیا جو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے اور پھر تبصرہ کیا کہ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ کاش شیئر کروں۔ ان کی دنیا میں کچھ مشکلات پھر شاید آخرت میں ان کی کچھ راحتیں میں بحث کی گئی ہے۔ بانٹ سکیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 74

عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ اگر انہوں نے ان کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کیا تو آخرت میں ان کے ساتھ نہیں جائے گا۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

بہترین

ایک بزرگ صحابی، سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ اگرچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے پہلے شخص نہیں تھے (اور نہ ہی وہ پہلے تھے۔ اسلام قبول کرنا (پھر بھی وہ ان میں سب سے بہتر تھا کیونکہ وہ مادی دنیا سے سب سے زیادہ لاتعلق تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 238 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کی مزید تائید ایک اور بزرگ صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے، جنہوں نے ایک مرتبہ اشارہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین گروہ تھے۔ کیونکہ وہ مادی دنیا سے سب سے زیادہ لاتعلق اور آخرت کے زیادہ خواہشمند تھے۔ اس پر امام ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیہ، روایت میں بحث کی گئی ہے۔ 278

عمر رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے دنیا اور آخرت کے حوالے سے صحیح سوچ اختیار کی۔ ایک ایسی ذہنیت جس نے انہیں مادی دنیا سے علیحدگی اختیار کرنے اور اپنی تمام تر کوششوں کو ابدی آخرت پر مرکوز کرنے کی اجازت دی، اپنی دنیاوی نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

متقی بننا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صرف اپنے مال میں سے کھاتے تھے، حالانکہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح سرکاری خزانے سے کھانے کے حقدار تھے۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا تھا کہ انہیں ڈر ہے کہ عوامی خزانے سے آنے والا کھانا آخرت میں ان کے پیٹ میں آگ بن جائے گا۔

ایک اور موقع پر ایک نوکر نے اسے دودھ پلایا۔ چکھنے کے بعد اس نے اس کی اصلیت پر سوال کیا۔ نوکر نے بتایا کہ اس کی اونٹنی کا دودھ ختم ہونے کے بعد اس نے سرکاری خزانے کے اونٹوں میں سے ایک کا دودھ نکال کر اسے دے دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور صرف اس وقت پیا جب انہوں نے بعض بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اجازت لی۔

ایک اور موقع پر بیمار پڑنے کے بعد انہیں شہد پینے کا مشورہ دیا گیا۔ کچھ شہد سرکاری خزانے میں تھا لیکن اس نے اس وقت تک اسے لینے سے پرہیز کیا جب تک کہ عوام سے اس کے استعمال کی اجازت نہ لے لی۔

امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 238-240 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس نے حلال سے پرہیز کر کے اپنے آپ کو حرام سے محفوظ رکھا۔ یہ رویہ تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ اس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ کوئی چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

تقویٰ کا ایک پہلو ان چیزوں سے بچنا ہے جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام کے قریب لے جاتی ہیں۔ اور حرام کے جتنا قریب ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے اور صرف حلال چیزوں کو استعمال کرتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

اگر معاشرے میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثلاً فضول اور فضول کلامی معنی، ایسی تقریر جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ گناہ، اکثر غیبت، جھوٹ اور غیبت جیسی بری بات کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص لغو باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بری بات سے بچتا ہے۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔ اس لیے ایک مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، جس کی ایک شاخ یہ ہے کہ باطل اور مشتبہ چیزوں سے اس خوف سے بچیں کہ وہ حرام کی طرف لے جائیں گے۔

اللہ کا بندہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سورج کی تپش میں چل رہے تھے کہ ایک نوجوان گدھے پر سوار ہو کر ان کے پاس سے گزرا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے پیچھے سوار ہونے کو کہا لیکن اس نے سواری کی بجائے عمر رضی اللہ عنہ کو سواری پیش کی۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ نوجوان اپنے ساتھ پہاڑ پر آگے، اعلیٰ مقام پر سوار ہو جبکہ وہ پیچھے سوار ہو۔ لوگوں نے آپ کو اسی حالت میں مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 241 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ چونکہ ان دنوں گدھے پر سوار ہونا ایک معیاری عمل تھا، اس لیے وہ دوسروں کی طرح برتاؤ کرنے اور جو کچھ کرتے تھے اس سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ اس طرح کے برتاؤ سے اس کا رتبہ کسی بھی طرح کم نہیں ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے، دنیاوی آسائشوں کے غلام نہیں تھے۔

صحیح بخاری نمبر 2886 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال اور عمدہ لباس کے غلاموں پر تنقید کی۔ یہ لوگ جب یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے ہیں۔

حقیقت میں، یہ تمام غیر ضروری دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ تنقید ان لوگوں کی طرف نہیں ہے جو مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کی تسکین کے لیے مال و دولت اور دیگر دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے حرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو غیر ضروری حلال چیزوں کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق

صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ انہیں آخرت اور ان کے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تنقید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس وقت بے صبرے ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا میں اپنی غیر ضروری خواہشات کو حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ رویہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ اپنی خواہشات کو پاتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ نہیں کرتے تو غصے سے اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ رویہ اختیار کرنے والے کے لیے دونوں جہانوں میں سخت نقصان سے خبردار کیا ہے۔ باب: الحج، آیت 11 22

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس "نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

مسلمانوں کو اس کے بجائے صبر کرنا اور اپنے پاس موجود چیزوں پر قناعت کرنا سیکھنا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث کے مطابق یہی حقیقی دولت ہے۔ درحقیقت خواہشات سے بھرا ہوا شخص محتاج ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق کیونکہ یہ اکثر صورتوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 42 اششورہ، آیت 27

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس "مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔

عوام کی خدمت

گرمی کے دنوں میں عراق کا ایک وفد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے اسے سرکاری خزانے کے اونٹوں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے پایا، جو بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کی خدمت کے لیے تیار کیے جا رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ خادموں کو اونٹوں کا سودا کرنے دیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان سے بڑا خادم کون ہے؟ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جو مسلمانوں کے امور کا انچارج مقرر کیا جاتا ہے وہ آقا کے خادم کا درجہ رکھتا ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 241-242 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ شرم کی بات ہے کہ نیک پیشروؤں کے زمانے سے حالات اتنے بدل گئے ہیں۔ ان دنوں جب وہ لیڈر بنے تو درحقیقت عوام کے خادم بن گئے اور عوام کا پیسہ اپنے ذاتی کاموں پر خرچ کرنے کے بجائے اپنا ذاتی پیسہ عوام پر خرچ کرتے۔ جبکہ آج کل قائدین اور شاہی خاندان عوام کی دولت خرچ کرنے کے بجائے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ قوم کے آقا ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح پیش روؤں کو اپنا رول ماڈل منتخب کریں اور ان کی خصوصیات کو اختیار کریں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کو ان تمام لوگوں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں جو ان کی دیکھ بھال میں ہیں جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اپنی ذاتی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور پھر اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ ان پر لازم ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کریں اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کریں۔

خود عکاسی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اکثر اپنی حالت اور اعمال پر غور کیا کرتے تھے۔ اسے ایک بار اپنے آپ کو ملامت کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی یاد دلاتے ہوئے سنا گیا، ورنہ وہ اسے سزا دے گا۔ موطا مالک، کتاب 56، حدیث نمبر 24 میں موجود ایک حدیث میں یہ بحث آئی ہے۔

محض عبادت کرنے سے کسی کو ایمان کے اعلیٰ درجات تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ مسلمان اپنے باطن کو پاک کر کے ہی اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ان کے پاس موجود منفی خصوصیات کو ہٹا کر اور ان کی جگہ اچھی خصوصیات لے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف سنجیدہ عکاسی اور خود تشخیص کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

جب کوئی اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے تو یہ انہیں ایک خادم کی طرح زندگی گزارنے اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے رب کے طور پر پہچاننے کی طرف لے جائے گا، جو کہ حتمی مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

اپنے کردار اور روح کو بری خصوصیات سے پاک کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرنے کے لیے یہ خود تشخیص ضروری ہے جو دونوں جہانوں میں کامیابی کا راستہ ہے۔ کچھ لوگ مادی دنیا میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ وہ کبھی بھی اس اہم کام کو انجام نہیں دیتے اور اس لیے دبائیاں گزر جاتی ہیں ان میں ایک بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو کمزوری کے آخری مرحلے تک پہنچنے سے پہلے خود اندازہ لگانے اور بہتر سے بہتر تبدیلی کے لیے جو وقت دیا گیا ہے اسے استعمال کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ تبدیلی کی خواہش کریں گے لیکن وہ ایسا کرنے کی ذہانت یا

طاقت کے مالک نہیں ہوں گے۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جائے جنہیں بڑی طاقت اور دولت سے نوازا گیا تھا لیکن آخرکار ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی طاقت ختم ہو گئی اور ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے۔

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی طاقت کے لمحات کو صحیح طریقے سے استعمال کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح نوازے گا کہ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی معاشرے میں ان کی عزت ہوگی۔

چونکہ مسلمانوں کی اکثریت عربی زبان کو نہیں سمجھتی بہت زیادہ عبادت اس اندرونی تطہیر کو متحرک نہیں کرے گی۔ انسان اس مادی دنیا، موت، قبر اور جہنم پر غور کرنے سے ہی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے غور و فکر کا ایک لمحہ ساٹھ سال کی رضاکارانہ عبادت سے بہتر ہو سکتا ہے۔

جو لوگ عقل یا غور و فکر کے بغیر رہتے ہیں وہ عادتاً ایسی غلطیاں کرتے ہیں جو صرف مسلسل تناؤ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی مقصد کے زندگی گزارتے ہیں اور ان کے حقیقی مقصد کو سمجھے بغیر ہر دن گزرتے ہیں۔

متقی لوگ ہمیشہ اپنے دن میں سے وقت نکال کر اپنے مقاصد پر غور کرتے ہیں کہ انہوں نے کون سے اعمال انجام دیے ہیں اور کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہے یا نہیں۔ یہ ذہنیت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان گناہوں سے بچتا ہے، اعمال صالحہ انجام دیتا ہے اور اگر گناہ سرزد ہو جائیں تو سچے دل سے توبہ کرے۔ یہ ذہنیت اسلام کے دوسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دیے گئے مشورے کے مطابق ہے جو کہ امام اصفہانی کی کتاب ہدایات الاولیاء نمبر 98 میں درج ہے۔ ان کا فیصلہ کوئی اور کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن۔

یہ خود تشخیص کلید ہے جو کسی کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ اس مرحلے کے مقابلے میں بہترین مرحلہ ہے جہاں کسی کو اپنی غلطیوں کا تب ہی احساس ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن اس مرحلے میں بھی اچھے دوست اور رشتہ داروں کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف مادی دنیا کے بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے اپنی ابدی فلاح و بہبود کے لئے عقلمند اور مخلصانہ فکر مند ہوں۔ واقعی ایک خوش نصیب مسلمان وہ ہے جس کے پاس اس قسم کے رشتہ دار اور دوست ہوں جو انہیں تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیں۔

کسی دن کے آغاز پر غور کرنے سے یہ بھی یقینی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے روزمرہ کے کاموں کو ترجیح دیتا ہے اور ان کاموں سے گریز کر کے وقت بچاتا ہے جن میں تاخیر ہونی چاہیے۔

درج ذیل آیت میں کامیاب مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور انہیں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس طرح متاثر ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور غرور کے آثار نہیں دکھانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی اس طرح متاثر نہیں ہوتا ہے تو اسے توبہ کرنی چاہیے اور اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے بدل جائے۔ باب 5 المائدة، آیت 83

اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول پر وحی کی گئی ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں اس وجہ ”سے آنسوؤں سے بہہ جاتی ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔“

خود غور و فکر کی کمی نے مسلمانوں کو مادی دنیا میں کھو دیا ہے حالانکہ اسلامی علم پہلے سے کہیں زیادہ آسانی سے دستیاب ہے۔ رضاکارانہ عبادت صرف ایک ہی دور لے جائے گی لیکن ایمان کی بلندی تک پہنچنے کے لیے انہیں اپنے کردار پر غور و فکر اور جائزہ لینا چاہیے۔ اس سے وہ اپنی برائی خصلتوں کو ترک کرنے اور ان کی جگہ اچھی چیزوں کو لے جانے کی ترغیب دے گا۔ اس خود تشخیص اور غور و فکر کو تحریک دینے کے لیے جس اہم جز کی ضرورت ہے وہ اسلامی علم ہے جو کسی معتبر ذریعہ سے حاصل کیا جانا چاہیے۔ یہ ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اس قسم کا علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

دوسروں کو تسلیم کرنا

لوگوں کے ایک گروہ نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ انہوں نے کبھی کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو زیادہ منصفانہ فیصلہ کرتا ہو، زیادہ صاف بات کہتا ہو اور منافقت کے معاملے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ سخت ہو۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہترین انسان ہیں۔ ایک صحابی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کے فیصلے میں غلطی کی وجہ سے ان پر اعتراض کیا اور تنقید کی۔ انہوں نے انہیں یاد دلایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ نیک تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ میں نے سچ کہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مشک کی خوشبو سے بہتر تھے جبکہ وہ اپنی قوم کے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ تھے (قبول کرنے سے پہلے (اسلام)۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 242-243 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان لوگوں کی تعظیم کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے تھے اور کبھی بھی اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ فخر کا پہلو ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ،

آیت 34

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

بدلہ لینا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر ایک مرتبہ ایک جاہل شخص نے یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے لیے کافی مال مختص نہ کر کے بخل کر رہے ہیں اور لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس شخص کے بھتیجے نے، جو قرآن مجید میں تعلیم یافتہ تھا، نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کی درج ذیل آیت یاد دلائی: باب 7 توبہ، آیت 199

”معاف کرو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔“

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کے تبصروں سے ناراض ہو گئے تھے، لیکن ایک بار انہوں نے قرآنی آیت کو سنا تو اس پر غور کیا اور پرسکون ہو گئے۔ اس کے بعد اس شخص پر تنقید کرنے سے گریز کیا۔ صحیح بخاری نمبر 4642 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد " سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ باب: النور، آیت 24 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " دے؟

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اخلاص

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ اپنے حاکم کے ساتھ اس وقت تک دیانتدار رہیں گے جب تک کہ حاکم اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیانت دار (خلوص سے اطاعت کرے گا۔ اگر حکمران اللہ تعالیٰ سے بے ایمان ہو گا تو عوام بھی بے ایمان ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ جب بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو کسی چیز سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کو یاد دلاتے کہ اگر وہ اس کام میں پکڑے گئے تو وہ ان کو دگنی سزا دیں گے کیونکہ وہ ان کے اہل خانہ تھے اور اس وجہ سے وہ ان کے اہل خانہ سے زیادہ تھے۔ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ذمہ داری۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 246 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

کوئی فائدہ نہیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو اس خوف سے کہ ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے گا، عوامی طور پر دستیاب وسائل کو استعمال کرنے سے منع کیا۔ مثال کے طور پر ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے اونٹ چرانے کے لیے سرکاری زمین استعمال کی جسے بعد میں بیچنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ اونٹ بیچ کر اس کا منافع سرکاری خزانے میں دے دیں۔ اسے خدشہ تھا کہ اس کے اونٹوں کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ خلیفہ کا بیٹا ہے۔

ایک اور موقع پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت کا کچھ سامان اس نیت سے خریدا کہ اسے نفع میں بیچ دیں۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان سے کہا کہ وہ اسے اپنے منافع کا ایک حصہ اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے گا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ غنیمت اس کے ہاتھ سستے داموں بیچ دی جائے گی، کیونکہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا۔ خلیفہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بیچنے کے بعد 80,000 چاندی کے سکے رکھنے کی اجازت دی اور باقی 320,000 چاندی کے سکے غریبوں اور مسکینوں کو عطیہ کر دیے۔ امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 246-247 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی کو عطر کی پیمائش کرنے سے بھی روک دیا تاکہ اسے لوگوں میں تقسیم کیا جا سکے، کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے اوپر کچھ رگڑ لے گی، اس طرح وہ دوسرے مسلمانوں سے زیادہ حصہ لے گی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 250 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے مساوات کے اہم اسلامی اصول کو برقرار رکھا۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پرہیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا

اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

اگرچہ بہت سے جاہل لوگوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے درمیان پھوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ان کے باہمی میل جول اور برتاؤ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے درمیان محبت اور احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ان کے درمیان کسی قسم کی بدمزاجی صرف خود غرضی اور لالچ کی نشاندہی کرے گی۔ وہ منفی خصوصیات جن سے وہ سب آزاد تھے۔

مثال کے طور پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو ترجیح دیتے تھے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب اور محبوب تھے اور جنہوں نے اسلام کی خاطر زیادہ قربانیاں دیں۔ ایسے معاملات جو انصاف سے متصادم نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ایک مرتبہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سرکاری خزانے سے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ مال مختص کیا۔ جب ان کے بیٹے نے یہ سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ اسامہ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے، پھر ان کے والد (یعنی عمر رضی اللہ عنہ) کو۔ ان کے ساتھ (اور اسامہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب تھے) یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد صفحہ 248-249 میں بحث کی گئی ہے۔ 1،

ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ وقت گزارنے کی دعوت دی۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ کیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی جو معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، چنانچہ وہ واپس پلٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کی اجازت لیے بغیر۔ آخر کار جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ واقعہ کیا ہے تو انہوں نے حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کے پاس جانے کا زیادہ حق ان کے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہے۔ اس سے خوش اس کے بعد انہوں نے تبصرہ کیا کہ لوگوں کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کی وجہ سے عطا کی ہیں۔ اس پر امام

محمد السّلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 256 میں بحث کی گئی ہے۔

یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ سرکاری خزانے سے عوام کو کتنا مال دیا جائے گا تو آپ نے لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق کے مطابق تقسیم کر دیا۔ حالانکہ اسے اپنے اور اپنے خاندان سے شروع کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس پر امام محمد السّلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 257 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور احترام کرتا تھا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حتیٰ کہ اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیں۔ اس سے خوش .علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کے نام بھی پہلے تین خلفاء کے نام پر رکھے :ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ۔ کیا کوئی سمجھدار شخص کسی ایسے شخص کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا جس کو وہ پسند نہیں کرتا تھا یا اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ اس پر امام محمد السّلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سرزمین میں نہ رکھے جہاں علی رضی اللہ عنہ غائب تھے۔

ان تمام اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی لوگوں سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس

سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا 143 ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

علم کا احترام

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلامی علم رکھنے والوں کو اپنے قریب رکھتے تھے، خواہ ان کی عمر یا سماجی پس منظر کچھ بھی ہو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مجلس میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی موجودگی پر تنقید کی، کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ بیٹھنے کے لیے بہت چھوٹے ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ قرآن کریم کی سورہ 110 نصر کی تفسیر پوچھی۔ اجتماع میں سے کچھ لوگوں نے اپنی رائے دی جبکہ کچھ خاموش رہے۔ جب انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے ایک اور تعبیر بتائی جس سے عمر رضی اللہ عنہ متفق تھے۔ صحیح بخاری نمبر 4294 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ اہل علم کے لیے گہری قدردان تھے اور ہمیشہ ان کی صحبت کے خواہاں رہتے تھے۔ مسلمانوں کو ان لوگوں میں سے ایک بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے

راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62: الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا (اپنے علم پر عمل نہیں کیا) (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے)۔“

خواتین کی عزت کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ خواتین کی عزت کے اہم اسلامی اصول کو برقرار رکھا۔ انہوں نے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے انتھک محنت کی کہ انہیں ان کے حقوق ملیں اور معاشرے میں ان کے ساتھ کبھی ظلم نہ ہو۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا کہ اگر وہ کافی عرصے تک زندہ رہے تو وہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ عراق (اس وقت اسلامی سلطنت کی سب سے دور کی سرزمین) میں رہنے والی کسی بیوہ کو کسی اور کی حمایت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 294 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر، ایک آدمی جو مرنے کے قریب تھا، اس نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تاکہ وہ اس کے مال کا کوئی حصہ وارث نہ بنیں۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس شخص کو دھمکی دی اور خبردار کیا کہ اگر اس نے اپنی بیویوں کو واپس نہ لیا تو وہ مرنے کے بعد اس کا مال زبردستی لے لے گا اور ان میں سے ہر ایک کو میراث میں سے حصہ دے گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 531-532 میں بحث کی گئی ہے۔

عام بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے لیے گھریلو استعمال کی اشیاء کے برابر ہونا عام رواج تھا۔ انہیں مویشیوں کی طرح خریدا اور بیچا جائے گا۔ عورت کو شادی کے حوالے سے کوئی حق نہیں تھا۔ اپنے رشتہ داروں کی طرف سے وراثت میں کچھ حصہ کی مقدار ہونے کے علاوہ، وہ خود کو وراثت کا ایک ٹکڑا سمجھا جاتا تھا جیسے گھر کے دیگر سامان۔ اسے مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جبکہ اسے کسی چیز کی ملکیت کی اجازت نہیں تھی۔ اور وہ صرف مرد کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی تھی۔ جبکہ مرد اپنی خواہش کے مطابق کوئی بھی مال خرچ کر سکتا ہے جو اس کا ہونا چاہیے، جیسے اجرت۔ اسے اس طریقہ پر سوال کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ یورپ کے کچھ گروہوں نے تو عورت کو انسان نہیں سمجھا اور اسے جانور کے برابر قرار دیا۔ عورت کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ عبادت کے لیے نااہل سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نے عورتوں کو روح کی حامل نہیں قرار دیا۔ ایک باپ کے لیے اپنی نوزائیدہ یا جوان بیٹی کو قتل کرنا مکمل طور پر معمول سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسے خاندان کے لیے شرمندگی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ بعض کا یہ بھی ماننا تھا کہ عورت کو قتل

کرنے والے کے خلاف کوئی انصاف نہیں کیا جائے گا۔ کچھ رسم و رواج نے تو مردہ شوہر کی بیوی کو بھی مار ڈالا کیونکہ وہ اس کے بغیر رہنے کے قابل نہیں تھی۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عورتوں کا مقصد صرف مردوں کی خدمت ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو تمام لوگوں کا احترام کرنے کا درس دیا، عدل و انصاف کو قانون بنایا اور مردوں کو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ان کے اپنے حقوق کے متوازی ذمہ دار ٹھہرایا۔ خواتین کو آزاد اور خود مختار بنایا گیا۔ وہ مردوں کی طرح اپنی جان و مال کی خود مالک بن گئی۔ کوئی مرد عورت کو زبردستی کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی رضامندی کے بغیر اسے مجبور کیا جاتا ہے تو یہ اس کا اختیار بنتا ہے کہ وہ نکاح جاری رکھے یا اسے فسخ کرے۔ کسی مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں سے کچھ بھی اس کی رضامندی اور منظوری کے بغیر خرچ کرے۔ شوہر کی موت کے بعد یا طلاق کے بعد وہ خود مختار ہو جاتی ہے اور اسے کسی کی طرف سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کے مطابق مردوں کی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورتوں پر خرچ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے۔ یہ تمام حقوق اور اس سے زیادہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے والے اسلام پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ اس نے خواتین کو صدیوں پہلے حقوق دیے تھے۔

مشورہ اور تنقید کو قبول کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کسی کی بھی تعمیری تنقید اور نصیحت قبول کرتے تھے، خواہ ان کا علمی سطح یا سماجی پس منظر کچھ بھی ہو۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر ایک بزرگ خاتون خولہ بنت طلبہ رضی اللہ عنہا نے روکا۔ اس نے اسے تعمیری انداز میں نصیحت کی۔ جب کسی نے اسے سختی کرنے اور اپنا زیادہ وقت لینے پر ملامت کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر تنقید کی اور مزید کہا کہ جب تک وہ بات کرتی رہیں وہ اس کی بات سنتا رہے گا، کیونکہ وہ وہی تھی جس کی شکایت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سنا اور جواب دیا۔ باب 58 المجادلہ، قرآن کریم کی آیات 1-4 ان کی وجہ سے نازل ہوئیں

جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے علیحدگی کے لیے احرار کہتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں کوئی نہیں بلکہ وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنم دیا۔ اور درحقیقت وہ ایک قابل اعتراض بیان اور جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ لیکن بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے... اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 265-266 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ سب سے عام طور پر پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کابل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی

دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

خواتین کے حقوق کا تحفظ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کی تجویز پیش کی۔ اس نے انکار کر دیا کیونکہ وہ سخت زندگی گزار رہا تھا اور اس کی سختی سے ڈرتا تھا۔ عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا جواب بتایا تو انہوں نے ان کے فیصلے کو بغیر کسی شکایت یا دباؤ کے قبول کر لیا، یہ طرز عمل زمانہ جاہلیت میں بہت عام تھا۔ اس کے علاوہ، عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار لوگوں کو تنبیہ کی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بدصورت مردوں سے شادی کرنے پر مجبور نہ کریں، جیسا کہ وہ اپنی بیویوں میں وہی پسند کرتے ہیں جو مرد اپنی بیویوں میں پسند کرتے ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 268-269 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی انتباہ سے ظاہر ہوتا ہے، اگر کوئی شخص دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ وہ لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں تو دوسروں کے حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک

حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں

اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت۔ اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطفین، آیت 26

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔۔۔"

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

شادی کی وجوہات

ایک شخص نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں کیونکہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تمام گھر محبت پر نہیں بنتے اور عجلت میں فیصلہ کرنے سے پہلے وفاداری اور قدردانی پر غور کرنا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 270 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ شادی میں محبت کے جذبات کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن محبت چونکہ ایک نازک جذبہ ہے اس پر مکمل طور پر اپنے فیصلوں کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیے۔

ایک آزاد غلام نے ایک بار قریش کے سب سے بڑے قبیلے کی ایک عورت سے شادی کی پیشکش کی، لیکن اس کے بھائی نے اس کی تجویز سے انکار کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھائی سے بات کی اور اسے مشورہ دیا کہ وہ اس تجویز کو قبول کر لے کیونکہ وہ ایک نیک آدمی ہے جو اپنے خاندان کو دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچاتا ہے، جب تک کہ اس کی بہن قبول کرنے پر راضی ہو۔ سب راضی ہو گئے اور نکاح ہو گیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 281 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر شریک حیات کی تلاش کرنی چاہیے، نہ کہ چڑچڑے جذبات یا دنیاوی وجوہات کی بنا پر، کیونکہ اس سے کامیاب شادی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے: مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو یہ خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے جو شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے پاس تھے۔ صرف خوبصورتی کے معنی کی خاطر شادی کرنا، محبت عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک چبھتا ہوا جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں میں گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ علم صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

دوسروں کا فیصلہ کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تنبیہ کی کہ کسی شخص کو دوسرے کے روزے یا نماز سے دھوکہ نہیں دینا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی عقل اور ایمانداری کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 272 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط

بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

دوسروں کی عزت کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحت فرمائی کہ اویس بن عامر رضی اللہ عنہ نامی ایک شخص سے کہیں کہ اگر وہ کبھی ان سے ملیں تو ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا موقع نہ ملا۔ برسوں بعد، اپنی خلافت کے دوران، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت اویس رضی اللہ عنہ سے ملے، اور ان سے استغفار کرنے کو کہا۔ صحیح مسلم نمبر 6492 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ، اویس رضی اللہ عنہ سے زیادہ نیک تھے، لیکن اس نے انہیں اپنی طرف سے دعا مانگنے سے نہیں روکا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی عاجزی کی دلیل ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں۔“

نہ یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو انہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت

عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے کی رحمت اللہ علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ پر جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان
نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور ”
[بہترین] انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک
حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔
فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر
ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو
اس کی تصدیق طرف سے آتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ
سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اچھی صحبت کی تلاش

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو اچھے ساتھی تلاش کرنے کی نصیحت کی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ مخلص ساتھیوں کی تلاش کریں کیونکہ وہ دوسروں کو خوش رکھتے ہیں اور وہ آسانی کے وقت خوشی کا باعث اور مشکل کے وقت سہارا بنیں گے۔ انہیں ہمیشہ دوسروں کے بارے میں مثبت سوچنا چاہئے جب تک کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ان سے دور رہنے کا جواز ہو۔ انہیں اپنے دشمنوں سے دور رہنا چاہئے اور دوسروں سے ہوشیار رہنا چاہئے، سوائے ان کے جو امانت دار ہوں۔ اور کوئی بھی قابل بھروسہ نہیں تھا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہ ہو۔ انہیں کسی بدکار کی صحبت نہیں رکھنی چاہیے ورنہ وہ منفی طور پر متاثر ہوں گے۔ انہیں اپنے رازوں کو نہیں بتانا چاہئے اور انہیں صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 277-278 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ

سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67

”اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔“

شرافت ایمان میں ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو ترجیح دیتے تھے جنہوں نے اسلام کی طویل خدمت کی اور اس کے لیے زیادہ قربانیاں دیں، یہاں تک کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سابق غلاموں کی خدمت اور ضروریات کو عرب کے بزرگوں پر ترجیح دیتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 278-279 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ”
ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس بات کو یقینی بناتے تھے کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار اپنے ایک ملازم کو تنبیہ کی کہ وہ کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچائے اور مظلوم کی دعا سے ڈرے، جیسا کہ ہمیشہ قبول ہوتا ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ

قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ضرورت مندوں کی مدد کرنا

ایک دفعہ ایک غلام نے اپنے مالک سے آزادی (کا معاہدہ کرنے کو کہا لیکن مالک نے انکار کر دیا۔ غلام نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، آپ نے مالک کو بلوایا اور حکم دیا: کہ قرآن کریم کی اطاعت کرو اور معاہدہ کرو۔ باب 24 النور، آیت 33

اور وہ لوگ جو آپ کے دائیں ہاتھ والوں سے معاہدہ چاہتے ہیں تو ان سے معاہدہ کر لو اگر تم جانتے ” ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے۔“

اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 285 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ مالک کو عزت دے سکتے تھے اور غلام کو برطرف کر سکتے تھے لیکن قرآن کریم کی ان کی اطاعت نے ان کو انصاف کرنے کی ہدایت کی۔

عام طور پر صحیح مسلم نمبر 6853 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

متوازن غذا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار دوسروں کو صحت مند غذا اپنانے کی نصیحت کی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ زیادہ کھانے سے بچو، کیونکہ یہ نماز میں سستی اور بیماری کا باعث بنتا ہے۔ انہوں نے انہیں خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ وزن والے سے نفرت کرتا ہے۔ انہیں کھانے میں اعتدال پسند ہونا چاہئے کیونکہ یہ تقویٰ کے قریب ہے اور اسراف سے مزید دور ہے اور عبادت کے لئے قوت پیدا کرتا ہے۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایک شخص تب برباد ہو جائے گا جب وہ اپنی مذہبی وابستگی پر اپنی خواہشات کو ترجیح دیں گے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 288-289 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2380 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متوازن غذا کی اہمیت بتائی ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اپنے پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں۔ پہلا حصہ کھانے کے لیے، دوسرا حصہ پینے کے لیے اور آخری حصہ سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب کوئی کھانا پیٹ بھرنے سے پہلے کھانا بند کر دے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل تھا۔

اگر لوگ اس نصیحت پر عمل کریں تو وہ جسمانی اور ذہنی دونوں بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ درحقیقت بہت سے باشعور لوگوں کے مطابق بیماری کی ایک بڑی وجہ بدہضمی ہے۔

دل کے لحاظ سے تھوڑی سی خوراک نرم دل، عاجزی نفس اور خواہشات کی کمزوری اور غصہ کا باعث بنتی ہے۔ پیٹ بھرنے سے سستی پیدا ہوتی ہے جو عبادت اور دوسرے اعمال صالحہ کو روکتی ہے۔ یہ نیند کو آمادہ کرتا ہے جس کی وجہ سے کوئی رضاکارانہ اور حتیٰ کہ فرض رات کی نمازوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ عکاسی کو روکتا ہے جو کسی کے اعمال کا اندازہ لگانے کی کلید ہے اور اس لیے اس کے کردار کو بہتر سے بدلنا ہے۔ پیٹ بھرنے والا غریب کو بھول جاتا ہے اور اس لیے ان کی مدد کرنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ یہ تمام منفی اثرات سخت دل کی طرف لے جاتے ہیں۔ سخت دل والا قیامت کے دن محفوظ نہیں رہے گا۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس دل کے ساتھ آتا ” ہے۔

جس کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے وہ زیادہ اہم چیزوں سے ہٹ جاتا ہے جیسے دینی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا وہ ہو گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2478 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہذا مسلمانوں کو متوازن غذا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ زیر بحث منفی اثرات سے بچیں جو بلاشبہ دنیا اور آخرت دونوں میں ان کی کامیابی میں رکاوٹ ہیں۔

ورزش کی حوصلہ افزائی کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دوسروں کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی صحت کا بھی خیال رکھتے تھے۔ وہ دوسروں کو مشورہ دیتے کہ وہ اپنے بچوں کو تیراکی، تیر اندازی اور گھڑ سواری سکھائیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 289 میں بحث کی گئی ہے۔

اس دنیا اور آخرت میں قرآن کریم نے ان سرگرمیوں کے خلاف نصیحت کی ہے جو فراہم کرتے ہیں۔ کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن باقی تمام سرگرمیاں، خواہ وہ دنیاوی ہی کیوں نہ ہوں، جیسے ورزش حلال ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ سواری رضی اللہ عنہم کو مثال کے طور پر صحابہ کرام نمبر 3608 میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنن نسائی اور برکتیں - اور تیر اندازی کی ترغیب دی تھی نبی ہے۔ حضور کہ یہ ورزش اور اپنے دفاع کی تربیت کی ایک شکل ہے موجود ایک حدیث میں نصیحت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، ایک بار ایک حدیث میں وسلم اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ بہترین جسمانی میں پایا جاتا ہے کہ یہ نمبر 420 ، الاولیاء ہلیۃ ، اللہ علیہ ہے۔ امام اصفہانی رحمۃ تیراکی ہے جس کی جدید سائنس بھی گواہی دیتی ہے۔ حضور نبی اکرم ہے ایک میں سے سرگرمیوں حدیث نمبر 4678 میں موجود ہے صحیح مسلم کی تک کہ یہاں اور برکتیں وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ کسی دوسرے شخص سے مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی رضی اللہ عنہ کو نے ایک صحابی کہ آپ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے کھیل اسلام میں حلال ہیں۔ بقول زوجہ محمد رسول اللہ صلی ، یہاں تک کہ وہ ، رضی اللہ عنہا پر درود و سلام ہو عائشہ ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ علیہ پہلی دوڑ جیتی اور حضور نبی اکرم صلی رضی اللہ عنہا نے دو مواقع پر آپس میں دوڑ پڑے۔ عائشہ میں موجود 2578 یہ سنن ابوداؤد نمبر دوسرا جیتا۔ ، اور اس پر درود ہو فرمایا اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ اور برکتیں فرمایا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۔ آخر میں حدیث میں درج ہے ایک ریسلنگ میچ میں بھی حصہ لیا جب انہیں ایک مقامی پہلوان نے چیلنج کیا صلی اللہ علیہ وسلم نے میں موجود ۔ یہ واقعہ سنن ابوداؤد نمبر 4078 جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیت لیا حدیث میں درج ہے ۔

یا سماجی ریاست اسلام میں اس وہ تمام سرگرمیاں جو کسی کے جسمانی، ذہنی کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ پورے ہوتے ہیں۔ اس ذہنیت کا وقت تک حلال ہے جب تک کہ اسلام کی طرف سے مقرر کردہ شرائط خلاصہ صحیح بخاری نمبر 43 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ وہ اس شخص کو ناپسند کہ نے مشورہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور برکتیں فرمایا۔ علیہ وسلم نے کرتے ہیں جو اپنی رضاکارانہ عبادتوں میں بہت سخت ہو۔ بدقسمتی سے، کچھ غلط طریقے سے دعویٰ اسلام ایک سخت مذہب ہے۔ ایسا اس وقت ہو سکتا ہے جب ناخواندہ لوگ قرآن پاک اور کہ کرتے ہیں کے مطابق امام بخاری حدیث۔ ایک کریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی غلط تشریح سادہ دین سے محبت کرتا ہے۔ یہ بیان، برگزیدہ اللہ، 287 ادب المفرد، نمبر اللہ میں موجود ہے رحمہ، سربلند ہے، کہ اللہ قرآن پاک میں بھی دیکھا جا سکتا ہے جہاں یہ واضح طور پر اعلان کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 185 بنی نوع انسان کے لیے سختی کی خواہش نہیں رکھتا

”اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم پر سختی نہیں چاہتا۔“

اس طرح زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ یہ مادی دنیا اور ان کا ایمان ساتھ مسلمانوں کو اسلام ان کی اپنی ساتھ چلیں۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگوں نے اس فلسفے کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ خواہشات کے مطابق وہ بہت سی فضول چیزوں میں حصہ لیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس ذہنیت کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ مادی دنیا اگلے موسم خزاں میں اس بیان یا میں صرف وہی چیزیں جو اس دنیا میں حقیقی فائدہ فراہم کرتی ہیں جسم کے ورزش کی ایک شکل ہے جو فائدہ مند ہے۔ اور کے اندر ہیں۔ مثال کے طور پر، کھیل کھیلنا لئے۔ حلال رزق کمانے کے لیے کام کرنا مفید ہے کیونکہ اس کے ذریعے کوئی اپنی ضروریات کسی کے بچوں کے ساتھ کھیلنا ان کے ساتھ محبت کے بندھن کو مضبوط کرنے۔ پوری کر سکتا ہے میں مدد کرتا ہے۔ یہ سب دنیوی اعمال ہیں جو کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں اور اس طرح پہلے بیان کیے گئے بیان کے تحت آتے ہیں جب تک کہ وہ اعتدال کے معنی میں، متوازن طریقے سے کیے جائیں۔ لیکن وہ اعمال جن سے دنیا یا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اس بیان میں شامل نہیں ہے۔ قرآن مجید آپ صلی۔ کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے سیکھنے کی ضرورت ہے اس توازن کو متعین کرنے کے لیے جو انہیں دنیا میں اختیار کرنا، اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

تمام معاملات میں نرمی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا جسے میں نے کچھ عرصہ سے نہیں دیکھا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ شراب کا عادی ہو چکا ہے اس لیے اس سے دور رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا اور درج ذیل آیات کا حوالہ دیا اور ان کی توبہ کی دعا کی۔ باب 40 غافر، آیات 1-3

ہا، میم۔ کتاب [قرآن] کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور علم والا ہے۔ گناہ معاف کرنے " والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، کثرت کا مالک۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی "کی طرف منزل ہے۔"

اس کا خط ملنے کے بعد اس شخص نے آیات کو بار بار پڑھا اور آخر کار اپنے گناہوں سے توبہ کر لی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے دوسروں سے کہا کہ دوسروں کے ساتھ نرمی برتی جائے، ان کی اصلاح کر کے، ان کے لیے دعا کریں اور ان کے خلاف شیطان کی مدد کرنے سے گریز کریں، انہیں سختی کے ذریعے اسلام سے مزید دور کر دیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 289-290 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے ارد گرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔“۔”

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

انتشار سے بچنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کرتے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ایک بار لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ باقاعدہ نجی ملاقاتیں نہ کریں کیونکہ اس سے لوگ گروہ اور دھڑے بن سکتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوگا۔ اس کے بجائے وہ اپنی محفلیں سب کے لیے کھولیں تاکہ معاشرے میں محبت پھیلے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 291 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو معاشرے میں تفرقہ سے بچنے کے لیے اقدامات کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک

مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیاوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تنہیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں: وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا 4094 ہے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

اسلام کی پاکیزگی کو برقرار رکھنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے بہت بڑا قدم اٹھایا کہ لوگ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل پیرا ہوں اور دیگر تمام چیزوں سے اجتناب کریں۔ مثال کے طور پر جب بعض غیر صحابہ اس درخت کی عبادت کرنے لگے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رضوان کی بیعت ہوئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا۔ نیچے امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 296 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ جو لوگ اپنی ذاتی رائے پر چلتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے دشمن ہیں۔ وہ ان روایات کو حفظ کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اپنی رائے کی بنیاد پر فیصلے کرتے ہیں۔ وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ ان روایات پر کاربند رہے۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اس وقت تک گمراہ نہیں ہوں گے جب تک وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا رہیں گے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 298 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی

تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اللہ پر بھروسہ رکھیں

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کے ایک گروہ کے بارے میں پوچھا جس نے آپ کو بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ وہ دراصل سست لوگ ہیں جو دوسروں سے ان کے لیے کام کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ زمین میں بیج بوتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 297-298 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں: طلاق، آیت 3

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔“

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک

مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71

”اے ایمان والو احتیاط کرو۔“

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہنا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

جنونیت سے بچنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے اپنا تعلق برقرار رکھیں اور دوسری چیزوں میں مشغول ہونے سے گریز کریں۔ انہوں نے خبردار کیا کہ ماضی کی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ انہوں نے اپنے علماء اور پادریوں کی کتابوں کو تورات اور بائبل پر ترجیح دی، یہاں تک کہ وہ ان کو نظر انداز کر دیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 298 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ صحیح رہنمائی کرنے والے علماء کی تعلیمات کا مطالعہ ضروری ہے، لیکن پھر بھی قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ایک فعال اور براہ راست ربط رکھنا چاہیے، جیسا کہ علماء کی بہت سی تعلیمات پر بحث کرتے ہیں۔ رہنمائی کے دو ذرائع میں ضمنی مسائل پر توجہ نہیں دی گئی۔ وہ مسائل جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو ایک مخصوص عقیدہ کا حامی ہے، اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہیے اور اس کا علم ہمیشہ حق پر ہے اس لیے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہیے جو ان کے عالم کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

فرض نمازوں کا قیام

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ستونوں کی تکمیل کو یقینی بنانے کی بھرپور کوشش کی، جن میں سب سے بڑی نماز فرض ہے۔ اس نے ایک بار اپنے گورنروں کو خط لکھا کہ وہ مسلمانوں کو فرض نمازوں پر عمل کرنے کو یقینی بنائیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ نماز اس کے لیے سب سے اہم مسائل میں سے ایک ہے۔ جس نے بھی اپنی نماز قائم کی اس نے اپنی مذہبی وابستگی کی حفاظت کی اور اچھا کام کر رہا تھا۔ لیکن جس نے اس میں کوتاہی کی وہ دیگر دینی فرائض سے غافل ہونے کا زیادہ امکان رکھتا ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 300-301 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102

اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ "کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے [ابھی تک] نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ "نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101

”... اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں“

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔
باب 5 المائدة، آیت 6

لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103

”بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔“

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5

”پس خرابی بے نمازیوں کے لیے۔ [لیکن] جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدنتیر، آیات 42-43 74

[اور ان سے پوچھتے ہوئے]، ”آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟“ وہ کہیں گے کہ ہم نماز ”پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔“

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43

”اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔

اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

دین کو زندہ کرنے والا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو قائم کرنے کے خواہشمند تھے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کی راتوں میں لگاتار تین راتوں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امامت فرمائی۔ لیکن چوتھی رات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امامت نہیں کی اور تبصرہ کیا کہ انہیں ڈر تھا کہ یہ نماز (تراویح) ان پر فرض ہو جائے گی۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہما رمضان کے مہینے میں یہ نمازیں انفرادی طور پر یا چھوٹی جماعت میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روایت کو زندہ کیا اور مسلمانوں کو ایک بار پھر جماعت کے ساتھ اس نماز کی ادائیگی کے لیے متحد کیا۔ صحیح بخاری، نمبر 2012 اور 2010 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی اس روایت کی رہنمائی فرمائی، اس پر عمل کرنے والے کو اجر ملے گا۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔

اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

نجات کا مطلب

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو کچھ وقت تنہائی میں گزارنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 309 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2406 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔

اس حدیث میں مذکور چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے۔ اس طرز عمل سے وقت ضائع ہوتا ہے اور زبانی اور جسمانی دونوں گناہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سچے دل سے غور کرے تو وہ سمجھے گا کہ ان کے زیادہ تر گناہوں اور مسائل کا سامنا دوسروں کے ساتھ غیر ضروری طور پر میل جول کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ دوسروں کی غلطی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ضروری طور پر اپنا گھر چھوڑنے سے گریز کرتا ہے تو وہ کم گناہ کرے گا اور کم پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرے گا۔ اس سے ان کا اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا وقت بھی نکل جائے گا جو کسی کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں فائدہ مند ہے۔

سود سے بچنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کریں گے کہ لوگ بازاروں میں غیر قانونی تجارت نہ کریں۔ مثلاً وہ اعلان کرے گا کہ جس کو سود کا علم نہیں وہ اپنے بازاروں میں تجارت نہ کرے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 312 میں بحث کی گئی ہے۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض لینے والے سے سود کی ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور وینڈر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ایک ہی وقت میں سود کی شرح میں اضافہ کرے گا۔ یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی

امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیئے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ، خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

رزق کمانا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو حلال رزق کمانے کی کوشش کرتے ہوئے سستی اور دوسروں پر محتاج ہونے سے بچنے کی ترغیب دیتے تھے۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار کہا تھا کہ اگر یہ تجارت کے لیے نہ ہو تو لوگ دوسروں پر منحصر ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جسمانی مشقت سے کمانا لوگوں سے بھیک مانگنے سے بہتر ہے۔ ایک اور موقع پر، اس نے لوگوں کو تجارت کرنے اور دوسروں پر انحصار نہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 314 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان ایک حلال پیشے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں آباد ہوتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع کا استعمال کیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کو پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشکوک یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے جس میں دولت بھی شامل ہے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ

کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی نہیں کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

گشت مدینہ

دوسروں کے لیے تشویش

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو آرام دہ اور محفوظ زندگی حاصل کرنے کے لیے سخت جدوجہد کی۔ وہ ذاتی طور پر مدینہ کی رات کے گشت میں حصہ لیتے۔

ایک بار اس نے ایک بچہ دیکھا جو کافی دیر تک روتا رہا۔ اس نے بچے کی ماں کو ڈانٹا، جس نے جواب دیا، جب کہ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے، کہ وہ بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جب اس نے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ صرف ان بچوں کو باقاعدہ مالی فائدہ دیتے تھے جن کا دودھ چھوایا گیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اپنے آپ کو ملامت کی اور کھلے عام یہ حکم دیا کہ تمام بچوں کو باقاعدہ مالی فائدہ دیا جائے گا اور اس سلسلے میں تمام اسلامی خطوں کو ہدایات لکھ دیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 317 میں بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کے لیے فکرمند ہونے کا یہ رویہ اپنانا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خود غرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خود غرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

خاندانی تعلقات

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو آرام دہ اور محفوظ زندگی حاصل کرنے کے لیے سخت جدوجہد کی۔ وہ ذاتی طور پر مدینہ کی رات کے گشت میں حصہ لیتے۔

ایک موقع پر، اس نے ایک عورت کو شاعری میں اپنے شوہر کی گمشدگی کا اظہار کرتے ہوئے سنا۔ اس کا شوہر ایک فوجی مہم پر گیا ہوا تھا۔ اپنی بیٹی، مومنین کی والدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کرنے کے بعد، انہوں نے ایک حد مقرر کر دی کہ ایک سپاہی اپنی بیوی سے چار مہینے تک کتنا دور رہ سکتا ہے۔ جو فوجی اس مدت کے بعد اپنے خاندانوں کے پاس واپس نہیں آئے انہیں یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ یا تو واپس جائیں، اپنے خاندانوں کو مالی امداد بھیجیں یا اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں۔ لیکن اگر انہوں نے طلاق دینے کا فیصلہ کیا تو ان پر واجب تھا کہ وہ گزشتہ مدت کو پورا کرنے کے لیے مالی نفقہ بھیجیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 318-319 میں بحث کی گئی ہے۔

اس رویے نے اپنے خاندان کے ساتھ اچھے تعلقات کی حوصلہ افزائی کی۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام اچھے معاملات میں اپنے خاندان کی مدد کرے اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں سے تنبیہ کرے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر، اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

دوسروں کی مدد کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو آرام دہ اور محفوظ زندگی حاصل کرنے کے لیے سخت جدوجہد کی۔ وہ ذاتی طور پر مدینہ کی رات کے گشت میں حصہ لیتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک عورت اور اس کے بچوں کو دیکھا جنہوں نے مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس سرکاری خزانے میں گئے اور کچھ چیزیں واپس لے کر ان کے لیے پکایا۔ گھر والوں کے کھانے کے بعد، اس نے عورت کو مشورہ دیا کہ وہ اگلے دن خلیفہ سے ملاقات کرے تاکہ وہ اسے کچھ مالی کفالت دے سکے۔ اس کے بعد وہ اپنے بچوں کو کھیلتے دیکھ کر چلا گیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 321-323 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں ذکر ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ انہیں یاد کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو کھانا کھلانا بھی ایسا ہی ہے۔ اس عمل کو انجام دینے والے کو جنت کا کھانا کھلایا جائے گا اور جو دوسرے کو پلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6236 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی بہترین قسم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاقی سے بات کرنا اسلام کی بہترین خصلتیں ہیں۔

مسلمانوں کو اس نیک عمل پر عمل کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہئے اور دوسروں کو خاص طور پر غریبوں کو مستقل بنیادوں پر کھانا کھلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ایک حیرت انگیز عمل ہے جس کے لیے زیادہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کو کھلائے خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1417 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ اس سے ان کی حفاظت ہوگی۔ قیامت کے دن جہنم کی آگ۔ اس سے لوگوں کو اس نیک عمل سے باز رہنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

کرپشن کا علاج

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو آرام دہ اور محفوظ زندگی حاصل کرنے کے لیے سخت جدوجہد کی۔ وہ ذاتی طور پر مدینہ کی رات کے گشت میں حصہ لیتے۔

ایک موقع پر، اس نے ایک ماں کو اپنی بیٹی کو دودھ کو پانی میں گھولنے کا حکم دیتے ہوئے سنا تاکہ اس کی مقدار میں اضافہ ہو اور اس طرح اس کی فروخت کی قیمت میں اضافہ ہو۔ بیٹی نے ماں کو خبردار کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے منع کیا تھا۔ والدہ نے جواب دیا کہ نہ تو عمر رضی اللہ عنہ اور نہ ہی ان کے ملازم موجود تھے اور وہ جو حکم دیں وہی کریں۔ بیٹی نے آخر کار جواب دیا کہ وہ اس کی کھلے عام بات نہیں مانے گی اور چھپ کر اس کی نافرمانی کرے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ پھر چلے گئے اور اگلی صبح بیٹی کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ ان میں سے کسی کو اس کی تقویٰ کی وجہ سے اس سے شادی کرنی چاہیے۔ بالآخر ان کی شادی ان کے بیٹے عاصم سے ہو گئی، اللہ ان پر رحم کرے۔ ان کے پوتے عمر بن عبدالعزیز تھے، جو اسلام کے پانچویں صحیح رہنمائی کرنے والے خلیفہ تھے، اللہ نے ان پر رحم کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 324-325 میں بحث کی گئی ہے۔

عمومی طور پر دیکھا جائے تو اس واقعے سے ایک چیز سیکھنے کو ملتی ہے کہ معاشرے میں کرپشن عام لوگوں سے شروع ہوتی ہے۔ بیٹی نے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے اپنے معاشرے میں بدعنوانی کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

بدعنوانی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنے پاس موجود نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، خاص طور پر اپنے سماجی اثر و رسوخ کو، دنیاوی چیزوں جیسے طاقت اور دولت حاصل کرنے

کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تنہا ایک مسلمان کے فرائض کو متاثر کرتا ہے اور لوگوں کے خلاف بہت سے گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ظلم۔

جب عوام ایک دوسرے کو ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی حدیث کے مطابق اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے صحیح معنوں میں اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں۔“۔”

تمام مخلوقات پر شفقت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تمام مخلوقات کے ساتھ رحم اور شفقت کے ساتھ پیش آنے کا اہم اصول اپنایا۔

وہ اکثر ان لوگوں کو ملامت کرتا جو اپنے جانوروں کی صحیح طرح دیکھ بھال نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ان کی زیر نگرانی جانوروں کے ان پر حقوق ہیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک بار تھکے ہوئے اونٹ کو دیکھنے کے بعد یہ تبصرہ کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اس کے بارے میں پوچھے گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 326-327 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

معلومات کی تصدیق کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو یقینی بنانے کے لیے بہت بڑا قدم اٹھایا۔ اس کی ایک شاخ اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ حاصل کردہ علم درست اور درست ہو۔ لوگوں کو اس اہم اصول کی تعلیم دینے کے لیے جب بھی کوئی شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر نہیں سنا تو گواہوں کی صورت میں ثبوت طلب کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت پر شک کیا جاتا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے کیا تھا تاکہ دوسروں اور آنے والی نسلوں کے لیے اس علم کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے جو انہوں نے سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ درست اور درست

مثال کے طور پر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک بار، تین بار عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کی اجازت طلب کی، لیکن اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے بعد وہ چلا گیا یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس بلایا جب انہوں نے کاروبار ختم کر دیا جس نے انہیں مصروف رکھا۔ جب انہوں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کیوں چلے گئے تو انہوں نے بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے کہ ایک شخص کو تین مرتبہ کسی دوسرے شخص کے پاس جانے کی اجازت مانگنی چاہئے لیکن اگر انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ وہ جگہ چھوڑ دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اس بات کی دلیل لاؤ۔ ابو موسیٰ پھر ایک اور صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو لائے جنہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے بھی یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6245 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس سے کسی کو معلومات پر عمل کرنے یا دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے سے پہلے اس کی تصدیق کرنے کا اہم اصول سیکھنا چاہیے۔

کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سوشل میڈیا کے اس دور میں غیر مستند خبروں کے پھیلاؤ پر قابو پانا کتنا مشکل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ”
“ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

علم حاصل کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تمام لوگوں کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی مسلسل تاکید کرتے تھے اور اکثر اس کے فضائل کو اجاگر کرتے تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے ایک دفعہ تبصرہ کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر سے گناہوں کا بہت بڑا بوجھ لے کر نکلتا ہے تو اسے کوئی اسلامی علم سنتا ہے جو اسے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے تو وہ بے گناہ گھر واپس آجائے گا۔ لہذا لوگ علماء کی مجالس کو ترک نہ کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 332 میں بحث کی گئی ہے۔

اس نے ایک دفعہ نصیحت کی تھی کہ ہزار نمازیوں کی موت ایک ایسے عالم کی موت سے زیادہ آسان ہے جو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حلال کیا ہے اور کیا حرام کیا ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 330 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کے علم کی پیاس کی نشاندہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیان سے ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک بار کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا علم تمام اہل زمین کے علم سے زیادہ ہو گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 360 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی سلطنت کے اندر تمام اسلامی اساتذہ کی مالی دیکھ بھال کا انتظام کیا، کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ وہ خود کو مکمل طور پر سیکھنے اور سکھانے کے لیے وقف کر دیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 369 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے پوری اسلامی سلطنت میں اسکول بنائے اور وہاں اساتذہ کو مقرر کیا تاکہ عام لوگوں کو علم حاصل کرنے تک رسائی حاصل ہو۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 371 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے کا امکان کم ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ

یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

ایک خوبصورت خطبہ - 4

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ مندرجہ ذیل خطبہ امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 334-335 میں زیر بحث آیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ لالچ غربت ہے اور مایوسی امیری ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2305 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سب سے زیادہ مالدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں پر راضی ہو۔ جو ہر وقت زیادہ دنیاوی چیزوں کا محتاج رہتا ہے وہ محتاج ہے، جو کہ غریب کے لیے ایک اور لفظ ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ لیکن جو اپنے مال پر راضی ہے وہ محتاج نہیں ہے اور اس لیے مالدار ہے خواہ اس کے پاس مال کم ہو یا دنیاوی چیزیں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے اس پر راضی ہونے والے کو وہ فضل عطا کیا جائے گا جس سے ان کے مال سے ان کی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری ہوں گی اور اس سے انہیں ذہنی اور جسمانی سکون ملے گا۔ جبکہ جو لوگ راضی نہیں ہوں گے ان کو یہ فضل حاصل نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وہ محسوس کریں گے کہ گویا ان کا مال ان کی ضروریات اور ان کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ انہیں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔

اطمینان میں اس پر راضی ہونا شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے منتخب کیا ہے یعنی تقدیر۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، وہ ہمیشہ اپنے بندے کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ اس انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ دیکھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اگر کوئی مسلمان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اکتفا کرتا ہے، جیسے کہ مشکل کے وقت صبر اور آسانی کے وقت شکر ادا کرنا، تو اسے ذہنی سکون ملے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ بعض لوگ اس چیز کو جمع کر لیں جسے وہ استعمال نہیں کرتے۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے

پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ کچھ لوگ ایسی امید رکھتے ہیں جو ان کے پاس کبھی نہیں ہو سکتی۔

یہ لمبی زندگی کی امید رکھنے کی تنقید ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکٹھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ ملے اور اس لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی جھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کر دے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں وہ بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ لہذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ اگر کوئی اسے ایک چیز دکھائے لیکن یہ دعویٰ کرے کہ وہ ان کے دل میں اچھے ہیں تو وہ ان پر یقین نہیں کرے گا۔

صحیح بخاری نمبر 52 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کسی کا روحانی دل درست ہو تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا روحانی دل فاسد ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کرپٹ

سب سے پہلے تو یہ حدیث اس احمقانہ عقیدے کی تردید کرتی ہے جہاں کوئی شخص اپنے قول و فعل کے خراب ہونے کے باوجود پاکیزہ دل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اندر ہے وہ آخر کار باہر سے ظاہر ہوگا۔

روحانی قلب کی تطہیر اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے اندر سے برائیوں کو ختم کر دے اور ان کی جگہ اسلامی تعلیمات میں مذکور اچھی خصوصیات کو لے آئے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرے۔ اسے اس طرح کا برتاؤ ایک پاک روحانی دل کی طرف لے جائے گا۔ یہ طہارت پھر جسم کے ظاہری اعضاء جیسے کہ کسی کی زبان اور آنکھ میں جھلکتی ہے۔ یعنی وہ اپنے اعضاء کو صرف ان طریقوں سے استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 کی ایک حدیث کے مطابق یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اپنے نیک بندے سے محبت کی علامت ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ تزکیہ تمام دنیاوی مشکلات میں کامیابی کے ساتھ رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دنیوی اور دینی دونوں طرح کی کامیابی حاصل کر سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ اگر کوئی اسے اچھے اعمال دکھائے تو وہ ان کے بارے میں اچھا خیال کرے گا۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹتے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لالچ کو نفاق کی ایک شاخ قرار دیتے ہوئے لوگوں کو اچھے طریقوں سے خرچ کرنے کی تلقین کی اور درج ذیل آیت کا حوالہ دیا: باب 59 الحشر، آیت 9

”اور جو شخص اپنے نفس کی بخل سے محفوظ رہا، وہی فلاح پائے والے ہیں۔“

منافقت کا ایک پہلو لالچ ہے۔ ان کی شدید حرص انہیں اللہ تعالیٰ سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب کر دیتی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں جب دوسرے صدقہ کریں کیونکہ ان کا لالچ دوسروں پر ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے لوگوں کو خیرات دینے سے بھی روک دیا کیونکہ وہ معاشرے کو دوسروں پر فیاض قرار دینے کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ہمیشہ لوگوں کو ناقص وجوہات کے ساتھ خیرات دینے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے خیراتی اداروں کو بطور فنکاروں کا لیبل لگانا۔ ان لوگوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت پر فیصلہ کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ پس اگر ان کا عطیہ کردہ مال اس وقت تک غریبوں تک نہیں پہنچتا جب تک کہ کوئی شخص کسی ثقہ کے ذریعے خیرات کرے۔ معروف صدقہ انہیں ان کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ باب 9 توبہ آیت 67

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔ وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے " ...روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند کر لیتے ہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ لوگوں کو آخرت کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور اس کے مطابق اپنے معاملات طے کرنا چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے

معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیر ضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان

کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ذکر کیا کہ انہیں امید تھی کہ وہ تھوڑے فرق سے بچ جائیں گے۔

اس سے قیادت کے خطرے کی نشاندہی ہوتی ہے اور جو شخص اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع نہیں کرتا اسے کیسے بگاڑ سکتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث 6923 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ وہ ان کے درمیان تھوڑی دیر رہے یا زیادہ عرصہ، ان کے ساتھ نیکی کرنے کی کوشش کریں گے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو مال عطا کیا ہے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق مال کا صحیح استعمال بھی شامل ہے۔ عام طور پر، جب کوئی شخص برکت کے مقصد کو سمجھتا ہے تو صحیح رویہ اپنا سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی

ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیاوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیاوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

فائدہ مند گفتگو

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کے ساتھ آنے والے ہمیشہ فائدہ مند چیزوں کے بارے میں بات کریں۔ اس کی وجہ سے وہ اس قدر پہچانے گئے کہ عباس نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی، جو اکثر عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتا تھا، ان کے سامنے کبھی کسی کی غیبت نہ کرنا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 889 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6593 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت اور غیبت کا مفہوم بیان فرمایا۔

غیبت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے اس طرح تنقید کرے جو اسے ناگوار گزرے حالانکہ یہ سچ ہے۔ جبکہ غیبت غیبت کے مترادف ہے سوائے اس کے کہ قول صحیح نہیں ہے۔ ان گناہوں میں بنیادی طور پر تقریر شامل ہوتی ہے لیکن اس میں دوسری چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، جیسے ہاتھ کے اشارے کا استعمال۔ یہ کبیرہ گناہ ہیں اور غیبت کو قرآن مجید میں مردہ لاش کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12

اور ایک دوسرے کی جاسوسی یا غیبت نہ کریں۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے..."
"...بھائی کے مرنے پر اس کا گوشت کھائے؟ تم اس سے نفرت کرو گے

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ گناہ ان اکثر گناہوں سے بھی بدتر ہیں جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو گناہ ہیں وہ اس کی طرف سے معاف ہو جائیں گے اگر گناہ گار سچے دل سے توبہ کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے یا بہتان لگانے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن غیبت کرنے والے / بہتان لگانے والے کی نیکیاں ان کے شکار کو بطور معاوضہ دی جائیں گی اور اگر ضرورت ہو تو مقتول کے گناہ ان کے غیبت کرنے والے / بہتان لگانے والے کو دیئے جائیں گے جب تک کہ انصاف قائم نہ ہو جائے۔ یہ غیبت کرنے والے / بہتان لگانے والے کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

غیبت صرف اس صورت میں جائز ہے جب کوئی کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے کی وارننگ دے رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو یا اگر کوئی شخص کسی تیسرے فریق کے ساتھ دوسرے کے خلاف شکایت حل کر رہا ہو، جیسے کہ قانونی مقدمہ۔

سب سے پہلے ان کبیرہ گناہوں کے برے نتائج کا علم حاصل کر کے غیبت اور غیبت سے بچنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص کو صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو وہ خوشی سے اس شخص کے سامنے کہے جو یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے جارحانہ انداز میں نہیں لیں گے۔ تیسرا یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے بارے میں صرف اس صورت میں الفاظ ادا کرنے چاہئیں جب وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے میں کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب، انہیں دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عیوب کو ٹھیک کرنے پر توجہ دے اور جب خلوص نیت سے کرے تو یہ اسے دوسروں کی غیبت اور غیبت کرنے سے روکے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت بھی اچھی صحبت کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67

”اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔“

والدین کی عزت کرنا

اگرچہ فوجی مہمات میں حصہ لینا اسلام کی طرف سے ضروری اور بہت زیادہ اجر و ثواب رکھتا تھا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس بات کو یقینی بناتے کہ سپاہی کے والدین ان کے جانے کی منظوری دیتے۔ چند مختلف مواقع پر جب بعض بوڑھے والدین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے بیٹوں کی گمشدگی کی شکایت کی جو فوجی مہمات پر روانہ ہوئے تھے تو آپ انہیں حکم دیتے کہ وہ اپنے والدین کے پاس واپس جائیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 380-383 میں بحث کی گئی ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک مسلمانوں میں ایک مشہور خصوصیت ہے عام طور پر دیکھا جائے تو لیکن بدقسمتی سے بہت سے لوگ اس اہم فرض کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو صرف اسی کی عبادت کے ساتھ رکھا ہے جیسے کہ باب 17 الاسراء آیت 23

اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک " کرو۔ خواہ ان میں سے ایک یا دونوں آپ کے ساتھ بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان کو "أف" نہ کہو،¹ اور ان کو دھتکار نہ دو بلکہ ان سے اچھی بات کہو۔

درحقیقت یہی آیت مسلمانوں کو منع کرتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے ناراضگی کے لیے ایک لفظ بھی بولیں۔ قرآن مجید کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار ہونے کو والدین کے شکر گزار ہونے کو ملایا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 14

”...میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہو“

حالانکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دینے والی لاتعداد احادیث موجود ہیں سنن ابن ماجہ نمبر 3662 میں موجود ایک حدیث اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایسے شخص کو جواب دیا جس نے سوال کیا کہ والدین کے کیا حقوق ہیں یہ اعلان کر کے کہ وہ بچے کے جنت یا جہنم ہیں۔ یعنی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ اس کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جا سکتے ہیں۔

حالانکہ والدین کا فرمانبردار رہنا، جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل نہ ہو، بہت مشکل ہے، خاص کر اس دن اور دور میں مسلمانوں کو صبر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور والدین سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان ان سے اختلاف کرتا ہے تو وہ ہر وقت ان کا احترام کر سکتا ہے اور اسے برقرار رکھنا چاہیے۔

دو مقدس مساجد میں تبدیلیاں

زمین پر بہترین مقامات

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں اینٹوں سے بنائی گئی تھی جس کے اوپر کھجور کے پتوں سے بنی ہلکی چھت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس میں کوئی بہتری نہیں کی۔ لیکن اپنی خلافت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بڑھایا اور اس کی دوبارہ تعمیر اسی طرح کی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی تھی یعنی اینٹوں اور کھجور کے پتوں سے اور وہ بھی اس کے لکڑی کے ستونوں کو بحال کیا۔ اپنے دور خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تبدیلیاں اور بڑے اضافے کیے۔ اس نے اس کی دیواریں کٹے ہوئے پتھر اور پلستر سے بنائی تھیں، اس کے ستون پتھر کے اور اس کی چھت ساگوان کی تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں مسجد الحرام میں کچھ معمولی تبدیلیاں بھی کیں۔ اس نے مقام ابراہیم کو، جو مسجد سے متصل تھا، اس جگہ منتقل کر دیا جہاں یہ اب ہے، تاکہ لوگوں کے لیے بیت اللہ، کعبہ کا طواف کرنا اور وہاں نماز ادا کرنا آسان ہو جائے۔ اس نے مسجد کے آس پاس کے کچھ مکانات خرید کر گرا کر مسجد کو بڑا کیا۔ اس نے مسجد کے چاروں طرف نیچی دیواریں بھی بنوائیں تاکہ ان پر چراغ لگائے جا سکیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 387 میں بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے سنن ابن ماجہ نمبر 738 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو عملی جامہ پہنایا۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنائے،

چاہے وہ چڑیا کے برابر بھی ہو۔ گھونسلہ یا اس سے چھوٹا اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 201-202 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں،

جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور
پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مسافروں کے لیے

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کی ایک بڑی تعداد مختص کی تاکہ ان لوگوں کے لیے جن کے پاس سواری کے جانور نہیں تھے اسلامی خطوں کے درمیان چلنا آسان ہو جائے۔ اس نے فوڈ ہاؤسز قائم کیے جو پھنسی ہوئے مسافروں اور غیر ملکی مہمانوں کی مدد کرتے تھے۔ اس نے مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کرنے والے مسافروں کے لیے رزق اور سواری کا انتظام کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 388-389 میں بحث کی گئی ہے۔

:عمر رضی اللہ عنہ نے مسافر کی مدد کے لیے قرآنی احکامات پر عمل کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 215

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ "مسافر کے لیے ہے"

مسافر وہ اجنبی ہے جو پردیس میں پھنس گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے سفر میں ان کی مدد کرنے کے لیے اپنے مال میں سے کچھ ان کو دے دیں کیونکہ انہیں مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے اور ان کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ جس کے پاس مال ہے اس کو چاہیے کہ وہ اس اجنبی کے ساتھ ہمدردی کرے اور ان کی ہر ممکن مدد کرے خواہ وہ ان کو کھانا یا نقل و حمل کا ذریعہ دے یا سفر کے دوران ان پر ہونے والی کسی بھی برائی سے بچائے۔

اس کے علاوہ، اس میں کوئی بھی مسلمان شامل ہو سکتا ہے جس کا ان کے گھر سے باہر سامنا ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4815 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جب لوگ عوام میں ملیں تو عوامی سڑک کے حقوق کو ادا کریں۔

اس حدیث میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جو ان کے لیے حرام ہیں۔ درحقیقت اپنے جسم کے ہر عضو جیسے زبان اور کان کی حفاظت اسی طرح کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں اگلی چیز جو نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نقصان کو دوسروں سے دور رکھیں۔ اس میں تقریر کی صورت میں دونوں نقصانات شامل ہیں، جیسے کہ بد زبانی اور غیبت کرنا اور جسمانی حرکات سے ہونے والا نقصان۔ درحقیقت کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے جسمانی اور زبانی نقصان کو لوگوں اور ان کے مال سے دور نہ رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ دوسرے کو سلام کا اسلامی سلام واپس کرنا چاہیے۔ اس میں اپنے الفاظ سے اسلامی سلام کا آغاز کرنا اور دوسروں کو اپنے عمل سے امن کا اظہار کرنا شامل ہے۔ کسی کی باتوں سے دوسروں کو سکون پہنچانا اور پھر اپنے عمل سے نقصان پہنچانا خالص منافقت ہے۔

آخر میں، زیر بحث مرکزی حدیث مسلم کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ اسے جامع ترمذی نمبر 2172 کی حدیث میں مذکور تین درجوں کے مطابق انجام دیا جائے۔ اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ اسے حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے کیا جائے۔ اگلی سطح یہ ہے کہ اسے اپنے الفاظ کے ساتھ کیا جائے۔ اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اسے اپنے دل سے کرنا یعنی چھپ کر کرنا۔ یہ فرض ہمیشہ اسلامی علم کے مطابق اور نرمی سے ادا کرنا چاہیے۔ اکثر

مسلمان صحیح بات کی نصیحت کرتے ہیں لیکن جب وہ اسے سختی سے کرتے ہیں تو وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزید دور کرتے ہیں۔ اس لیے علم کو حسن سلوک کے ساتھ جوڑنا بہت ضروری ہے تاکہ مشورہ دوسروں پر مثبت انداز میں اثر انداز ہو۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو ان خصوصیات کو اپنانا چاہیے اور تمام لوگوں کے لیے ظاہر کرنا چاہیے، چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہو۔

تجارتی راستوں کو بہتر بنانا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی خطوں کے بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانے جیسے آبی گزرگاہوں کی کھدائی اور پلوں کی مرمت کے لیے بہت بڑے اقدامات کیے تھے۔ اس نے آسان سفر اور تجارت کی سہولت کے لیے مختلف دور دراز علاقوں کے درمیان راستے بنائے۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک پرانی آبی گزرگاہ دوبارہ کھودی تھی جو جزیرہ نما عرب کو الفستات سے جوڑتی تھی، جو مصر کا نیا دارالحکومت بن گیا۔ اس سے پورے خطے میں خوشحالی آئی۔

اس نے دریائے دجلہ سے بصرہ شہر تک پانی لانے کے لیے ایک آبی گزرگاہ بھی کھودی تھی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 390-391 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ حلال زندگی کی تلاش کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان ایک حلال پیشے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں آباد ہوتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے

متصادم ہے۔ دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع کا استعمال کیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کو پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشکوک یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے جس میں دولت بھی شامل ہے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی نہیں کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

اسلامی شہر

جیسا کہ ان کی خلافت کے دوران اسلامی سلطنت بہت زیادہ پھیلی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علاقوں اور نئی فتح شدہ زمینوں کے درمیان کی زمینوں میں شہر تعمیر کروائے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو اپنے خاندانوں کے ساتھ منتقل ہونے کی ترغیب دی اور انہیں روزگار کے مواقع فراہم کرنے میں مدد کی۔ وہ ان شہروں کے اندر مساجد، گھر، بازار اور جو کچھ بھی لوگوں کو اچھی زندگی دینے کے لیے درکار تھا، بناتا ہے۔ یہ شہر غیر مسلموں کے لیے سیکھنے کے مرکز بن گئے جہاں وہ اس بات کا مشاہدہ کر سکتے تھے کہ کس طرح اسلام کی تعلیمات کو نافذ کرنے سے امن، انصاف اور دیگر فوائد سب تک پہنچتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی ایک وجہ یہ تھی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 391-393 میں بحث کی گئی ہے۔

بدقسمتی سے، وہ کچھ لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس دنیا میں ایمان کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے جو مسلمان ہیں دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے بغیر اسلام کا دعویٰ کرنا بی کافی ہے۔ لیکن معاشرے کے اندر جرائم میں اضافہ ایمان کی اہمیت کو ثابت کرتا ہے اور علم و عمل سے اس کو تقویت دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرائم اور گناہ صرف اس صورت میں ہوتے ہیں جب ایک شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے یا تو اپنے اعمال کے لیے کوئی نتیجہ نہیں بھگتنا پڑے گا، جیسے کہ جیل، یا وہ کسی طرح ان سے بچ جائیں گے، مثلاً ملک سے فرار ہو کر۔ لیکن جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ چاہے وہ کوئی بھی عمل کرے، خواہ کھلا ہو یا خفیہ، بڑا ہو یا چھوٹا، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ایک دن کوئی بھی حربے آزماتا ہے، بلاشبہ وہ ایسا وقت آئے گا جہاں اس کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا، وہ کرنے سے پہلے ہمیشہ دو بار سوچے گا۔ جرم یا گناہ؟ اگر اس عقیدہ کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے تقویت دی جائے تو یہ جرائم اور گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائے گا۔ اگر لوگ اس طرح کام کریں تو معاشرے میں امن اور انصاف پھیلے گا۔ جرائم کی شرح میں کمی آئے گی اور زمانہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحیح ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور سے قریب تر ہو جائے گا۔ صرف یہی حقیقت ایمان کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے اور معاشرے میں علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اسے مضبوط کرتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 90

بے شک اللہ عدل اور حسن سلوک اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برے ”
”کام اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم نصیحت حاصل کرو۔

اچھا خرچ

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نئے شہر تعمیر کیے تو گھر ابتدا میں سرکنڈوں سے بنائے گئے تھے۔ کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں آگ لگنے کے بعد، سرکنڈوں سے بنے ان میں سے بہت سے گھر تباہ ہو گئے۔ گورنروں نے انہیں اینٹوں سے دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت تو دے دی لیکن اسراف سے بچنے کے لیے یہ کہہ کر تنبیہ کی کہ کسی گھر میں تین کمرے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اونچی عمارتوں کی تعمیر میں کسی کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 399-400 میں بحث کی گئی ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے، جو مصر کے گورنر تھے، نے الفوسط شہر قائم کیا، جو اس وقت مصر کا دارالحکومت بنا۔ اس نے عمر رضی اللہ عنہ اور آنے والے خلفاء کے لیے ایک گھر بنایا، اس لیے جب وہ مصر گئے تو ان کے پاس رہنے کی جگہ تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے حکم دیا کہ گھر کو گرا دیا جائے اور اس کی جگہ مقامی لوگوں کی خدمت کے لیے ایک بازار بنایا جائے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 405 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2482 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ تمام حلال خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ہے، سوائے اس مال کے جو عمارتوں پر خرچ کیا جائے۔

اس میں حلال چیزوں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو اسراف، فضول خرچی یا اسراف سے پاک ہے۔ جو تعمیر ضروری ہو اس پر خرچ کرنا اس حدیث میں شامل نہیں ہے بلکہ وہ تعمیر ہے جو ضرورت سے باہر ہو۔ یہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ تعمیرات پر خرچ آسانی سے فضول خرچی اور اسراف کا باعث

بنتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص تعمیرات پر مال خرچ کرتا ہے اس کا صدقہ دینے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کا امکان کم ہے۔ نیز یہ طرز عمل اکثر ایک مسلمان کو لمبی زندگی کی امیدوں کو اپنانے کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ جو یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں ان کا قیام بہت مختصر ہے وہ ایک خوبصورت گھر بنانے میں توانائی اور دولت کو ضائع نہیں کرے گا۔ لمبی عمر کی جتنی زیادہ امیدیں ہوں گی اتنے ہی کم نیک اعمال انجام دیں گے اس یقین کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ اچھے کام انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کسی کو مخلصانہ توبہ میں تاخیر کرنے کا سبب بھی بنتا ہے یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ بہتر کے لیے بدل سکتے ہیں۔ آخر میں، یہ اس دنیا میں اپنے طویل قیام کے لیے زیادہ آرام دہ زندگی پیدا کرنے کے لیے دنیا کے لیے مزید کوششیں وقف کرنے کا سبب بنتا ہے۔

غیر ضروری تعمیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا انسان کے لیے وقت گزارتا ہے جو کہ اسے انتہائی تھکاوٹ کے باعث نفلی اعمال مثلاً روزہ اور رات کی نماز ادا کرنے سے روکتا ہے۔ یہ انہیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنے سے بھی روکتا ہے۔

آخر کار، حقیقت میں غیر ضروری تعمیرات میں حصہ لینا کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مطلب، جس لمحے کوئی شخص اپنے گھر کا ایک حصہ مکمل کر لیتا ہے وہ اس وقت تک دوسرے حصے میں چلا جاتا ہے جب تک کہ سائیکل خود کو دہرا نہ جائے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام چیزوں کے حوالے سے جو ان کی ضرورت کے مطابق ہے، صرف تعمیرات ہی پر عمل کریں تاکہ وہ ان منفی نتائج سے بچ سکیں۔

غرور سے بچنا

جب عمر بن خطاب نے عتبہ ابن غزوہ رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے گورنر کی حیثیت سے روانہ کیا تو اس نے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی اور تکبر اختیار کرنے سے خبردار کیا کیونکہ اس سے ان کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ بطور رہنما اس کی بات سنی جائے گی اور اس کی اطاعت کی جائے گی اور یہ اس کے لیے بہت بڑی نعمت ہو گی جب تک کہ وہ خود سے بہتر محسوس نہ کرے اور نہ ہی دوسروں کو حقیر سمجھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 352-353 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے: اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

سچی شکرگزاری

آپ کے دور خلافت میں جب اسلامی سلطنت تیزی سے پھیل رہی تھی اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو دنیاوی برکات حاصل ہو رہی تھیں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اکثر واعظ دیتے تھے جس میں دنیا پرستی سے بچنے کی اہمیت پر بحث ہوتی تھی۔ انہوں نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ دنیاوی چیزوں میں مشغول نہ ہوں اور اس کے بجائے اپنی کوششیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے پر مرکوز کریں، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ وہ دنیاوی چیزوں میں جتنا زیادہ مشغول ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا اتنا ہی کم شکر ادا کریں گے اور اس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں دینی نعمتوں سے محروم ہوجائیں گے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 402-404 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ شکر گزاری کے تینوں پہلوؤں کو پورا کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا منکر بننے سے بچ جائے، جیسا کہ حقیقت میں ناشکری کرنے والا، نعمتیں دینے والے کی حقارت کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 152

”اور میرا شکر ادا کرو اور میرا انکار نہ کرو۔“

شکرگزاری کے تین پہلو یہ ہیں کہ داخلی طور پر اللہ تعالیٰ کو تمام نعمتوں کا واحد خالق اور عطا کرنے والا تسلیم کریں۔ اس کا ایک پہلو اپنی نیت کو درست کرنا ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اعمال انجام دیں۔ اگلا پہلو زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا ہے۔ اور آخری اور اعلیٰ ترین پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اسلام کی بتائی ہوئی ہر نعمت کو استعمال کرتے ہوئے عملاً اپنے عمل کے ذریعے شکر ادا کیا جائے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔ لیکن اگر تم جھٹلاؤ گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

جیسا کہ سچا شکر نعمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے مسلمانوں کو ڈرنا چاہیے کہ کفران نعمت ان کے پاس موجود نعمتوں کو یا تو ان سے چھین لی جائے یا ان کی نعمتوں کو ان کے خلاف استعمال کر کے دونوں جہانوں میں ان کے لیے بوجھ اور لعنت بن جائے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان واقعی شکر گزار ہو جائے تو پھر بھی انہیں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ ان کی ضمانت ہے۔ لیکن اگر وہ صحیح رویہ اختیار کریں گے تو ہر حال میں ان کی رہنمائی ہو جائے گی تاکہ انہیں دنیا میں ذہنی اور جسمانی سکون اور آخرت میں بڑا اجر ملے۔ یہ اس مریض کی طرح ہے جس کا آپریشن کیا جاتا ہے لیکن انہیں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی کیونکہ انہیں بے ہوشی کی گئی ہے۔

فوڈ بینکس

ایک شدید قحط کے دوران جس نے مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو تباہ کیا، جو کہ راکھ کے سال میں واقع ہوا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کھانے کی تلاش میں مدینہ آنے والوں کے لیے فوڈ بینک کا اہتمام کیا۔ اس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اس کے پاس آنے والے ہر شخص کو ان کے پاس موجود ذرائع کے مطابق کھانا کھلایا جائے۔ وہ خود کھانا پکانے اور غریبوں اور ضرورت مندوں میں کھانا تقسیم کرنے کی نگرانی کرتا تھا اور یہاں تک کہ لوگوں کے لیے خود کھانا پکاتا تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 412-414 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسروں کے لیے کتنا اخلاص تھا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

نرمی کے ساتھ سختی

راکھ کے سال کے دوران، ایک سال جب مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں شدید قحط پڑا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چوری کی قانونی سزا کو عارضی طور پر معطل کر دیا۔ اس نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ قانونی سزا پر عمل درآمد کی شرائط موجود نہیں تھیں۔ بھوک کی حالت میں دوسرے کا مال کھانے والا اس شخص کے برابر نہیں ہے جو لالچ کی وجہ سے دوسرے کا مال چوری کرے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ قرآن کریم کسی کو شدید بھوک کی حالت میں حرام کھانا کھانے کی اجازت دیتا ہے، اس لیے اس کا اطلاق سختی کے وقت اپنا پیٹ پالنے کے لیے دوسروں کا مال لینے پر کیا جا سکتا ہے۔ بھوک بھی۔ باب 5 المائدة، آیت 3

تم پر مردہ جانور، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے وقف ” کیے گئے ہیں اور وہ جانور جو گلا گھونٹ کر یا زور دار ضرب لگنے سے یا سر کے بل گرنے سے مارے گئے ہوں یا مارنے سے۔ سینگوں کے، اور جن میں سے کسی جنگلی جانور نے کھایا ہے، سوائے اس کے جو آپ [اس کی موت سے پہلے] ذبح کر سکتے ہیں، اور جو پتھر کی قربان گاہوں پر قربان کیے جاتے ہیں... لیکن جو شخص شدید بھوک سے مجبور ہو اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔ تو ”بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

چوروں پر کڑی تنقید اور دھمکیاں دی جاتیں اور بعض صورتوں میں کوڑے مارے جاتے لیکن قحط کے دوران اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا گیا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے قحط زدہ علاقوں سے صدقہ فطر جمع کرنے میں اگلے سال جب تک کہ قحط ختم نہ ہو گیا، تاخیر کی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کے احکام پر اعتراض نہیں کیا جیسا کہ وہ جائز تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 421-423 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اسلام کی نرم طبیعت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔"

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھروسہ ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لیے شام جانے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ جزیرہ نما عرب اور شام کے درمیان سرحد پر پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ شام میں طاعون پھیل گیا ہے اور اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان میں سے بعض نے راستے پر قائم رہنے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مشورہ دیا اور بعض نے مدینہ واپس آنے کا مشورہ دیا، کیونکہ احتیاط برتنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے منافی نہیں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کیا اور روانگی سے پہلے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے کیمپ پر پہنچے اور انہیں خبر دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ کہ اگر کسی ملک میں طاعون پھیل جائے تو لوگ اس میں داخل نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ پہلے سے ہی اندر تھے جب طاعون پھیلی تو انہیں ملک سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ صحیح بخاری نمبر 5729 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر توکل، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع کو استعمال کرنے پر مشتمل ہے، اور پھر اس بات پر پختہ یقین رکھنا کہ صورت حال کا نتیجہ، جسے اللہ تعالیٰ اکیلے چنتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہے۔ لہذا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے پر مبنی تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔“

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71

“اے ایمان والو احتیاط کرو۔“

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں

کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

بڑا طاعون

تقدیر کو قبول کرنا

وہ سال ایک بڑی طاعون پھوٹ پڑی اور پورے ملک بالخصوص شام میں پھیل گئی۔ بہت سے 17 بزرگ صحابہ جیسے ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان سب نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا اسے بخوشی قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 424-426 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ سی بات کو سمجھنا ضروری ہے جو ان کو تقدیر اور اس سے پیش آنے والی مشکلات کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ ایک شخص خوشی خوشی ایک کڑوی دوا لیتا ہے جسے اس کا ڈاکٹر اس کے علم، تجربے اور انتخاب پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے تجویز کرتا ہے جب تک کہ اس کا ڈاکٹر جانتا ہے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے۔ یہ سچ ہے اگرچہ وہ صرف انسان ہیں اور غلطیوں کا شکار ہیں۔ اس کے باوجود، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ پر اسی سطح پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں، حالانکہ اس کا علم لامحدود ہے اور اس کے انتخاب ہمیشہ دانشمندانہ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تقدیر اور اس سے آنے والی پریشانیوں کو قبول کرنے کی کوشش کریں جس طرح وہ کڑوی دوا کھاتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کو جن پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کے لئے بہترین ہیں چاہے وہ ان میں موجود حکمتوں کو نہ سمجھیں یا ان کا مشاہدہ نہ کریں جس طرح وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے موجود سائنس کو خوشی سے نہیں سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر معاملات میں وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے سائنس کو کبھی نہیں سمجھ پائیں گے ایک وقت ضرور آئے گا، چاہے اس دنیا میں ہو یا آخرت میں، جب ان کو درپیش تلخ مشکلات کے پیچھے کی حکمت ان پر آشکار ہوگی۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس وقت صبر کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ جلد ہی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ اس پر گہرائی سے غور کرنے سے مشکلات کا مقابلہ کرتے وقت صبر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند
"ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

علیحدگی کا مشورہ

وہ سال ایک بڑی طاعون پھوٹ پڑی اور پورے ملک بالخصوص شام میں پھیل گئی۔ بہت سے 17 بزرگ صحابہ جیسے ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان سب نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا اسے بخوشی قبول کیا۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بستر مرگ پر کچھ نصیحت کی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ نماز قائم کریں، فرض زکوٰۃ ادا کریں، روزہ رکھیں، صدقہ کریں، حج و عمرہ کریں، آپس میں رشتہ استوار رکھیں، آپس میں محبت رکھیں، حکمرانوں سے مخلص رہیں۔ مادی دنیا کی طرف سے مشغول ہونے سے بچنے کے لئے۔ اس نے انہیں یاد دلایا کہ چاہے وہ کتنی ہی مدت تک زندہ رہیں آخرکار مر جائیں گے، اس لیے سب سے زیادہ چالاک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ فرمانبردار اور آخرت کے لیے تیار ہو۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 424-426 میں بحث کی گئی ہے۔

کوئی بھی اس نصیحت کو اس وقت پورا کر سکتا ہے جب وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا

جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیاوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ

ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیاوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

علیحدگی کا مشورہ - 2

وہ سال ایک بڑی طاعون پھوٹ پڑی اور پورے ملک بالخصوص شام میں پھیل گئی۔ بہت سے 17 بزرگ صحابہ جیسے ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان سب نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا اسے بخوشی قبول کیا۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بستر مرگ پر کچھ نصیحتیں کیں۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ اس وقت تک پہنچنے سے پہلے جس وقت وہ نیک اعمال کرنا چاہیں گے لیکن انہیں ان سے روکا گیا تھا، اس سے پہلے کہ انہیں موقع ملے بھرپور کوشش کریں۔ اس نے ان کو تنبیہ کی کہ ان سے کسی چیز کی توقع نہیں ہے کہ انہوں نے جو کچھ کھایا، پیا، پہنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا، جب کہ باقی تمام دولت دوسروں کے لطف اندوز ہونے کے لیے چھوڑ دی جائے گی۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ صرف اس لیے دنیا میں رہنا چاہتے ہیں کہ لمبی راتیں عبادت میں گزاریں، دن میں طویل گھنٹے روزے میں گزاریں اور علماء کی مجالس میں شرکت کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 424-430 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ نعمتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ آخرت کے لیے ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات

پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیں تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

فرائض کی تکمیل

شام میں طاعون ختم ہونے کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ان کے لیے امداد بھیجی بلکہ ذاتی طور پر ان کی مدد کے لیے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے طاعون کی وجہ سے درہم درہم ہونے والے معاملات کو درست کیا اور اپنی حکومت میں رہنے والوں کے حقوق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 431-433 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

منصفانہ سلوک کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ ان کے خاندان اور ان کے ملازمین، جیسے کہ ان کے گورنر، اپنی سماجی حیثیت کو دنیاوی فائدے کے لیے استعمال نہیں کریں گے، جیسے تجارت کے ذریعے زیادہ دولت کمانا۔ ذاتی تجارت کے ذریعے حاصل کی گئی دولت کا ایک فیصد لے کر سرکاری خزانے میں رکھ دیا جاتا تھا جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ کسی کے لیے اپنے سماجی مقام کو منافع کے لیے استعمال کرنا ناانصافی ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 441 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ رویہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کاروبار میں ایمانداری سے حصہ لینا چاہیے اور اپنے دنیاوی روابط کو اپنے منافع کو بڑھانے کے لیے ناجائز استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو 2079 چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

حق کی پیروی کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے اردگرد رہنے والوں کو ہمیشہ اس بات کی تلقین کرتے تھے کہ وہ انہیں سچی اور مخلصانہ نصیحت کریں چاہے وہ ان کی رائے کے مخالف ہوں۔ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو نصیحت کی، جن سے اس نے مشورہ لیا تھا کہ میں بھی ان جیسا ہی ہوں اور ان کو اپنا فیصلہ حق پر رکھنا چاہیے، چاہے وہ اس سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔ اور اپنے فیصلوں میں قرآن پاک کی پابندی کرنے کی تلقین کی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 466 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے کامیاب ہونے کی ایک اہم وجہ تھی۔ ہر ایک نے ایمانداری سے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق بات کی، اور کسی کی تنقید سے نہ ڈرے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں سچائی کی پابندی کرتے ہوئے اس خصلت کو اپنائے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے

زبانى گناہوں سے بچتے ہيں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جيسا کہ دوسرے زبانى گناہوں ميں ملوث ہونے والا حقيقى سچا نہيں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ايک بہترين طريقہ جامع ترمذى نمبر 2317 ميں موجود حديث پر عمل کرنا ہے جس ميں يہ نصيحت کى گئى ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسى صورت ميں بہترين بنا سکتا ہے جب وہ ان چيزوں ميں ملوث ہونے سے گريز کرے جن سے اسے کوئى سروکار نہيں۔ زبانى گناہوں کى اکثریت اس ليے ہوتى ہے کہ مسلمان کسى ايسى بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہيں کوئى سروکار نہيں ہوتا۔ آخرى مرحلہ اعمال ميں سچائى ہے۔ يہ اللہ سبحانہ و تعالىٰ کى مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کى تعميل، اس کى ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلى اللہ علیہ وسلم کى روايات کے مطابق تقدير پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغير خوشامد اٹھانے يا غلط بيانى کے۔ اسلام کى تعليمات جو کسى کى خوابشات کے مطابق ہوں۔ انہيں تمام اعمال ميں اللہ تعالىٰ کى طرف سے مرتب کردہ درجہ بندى اور ترجيحى ترتيب کى پابندى کرنى چاہيے۔

سچائى کے ان درجات کے برعکس يعنى جھوٹ بولنے کے نتائج، زير بحث مرکزى حديث کے مطابق يہ ہيں کہ يہ معصيت کى طرف لے جاتا ہے جس کے نتيجے ميں جہنم کى آگ لگ جاتى ہے۔ جب کوئى اس رويہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالىٰ کى طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

نیک سلوک

قرآن کریم کی رہنمائی میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور بزرگ صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ نئی فتح شدہ زمینوں کو سپاہیوں میں تقسیم نہ کیا جائے۔ اس کے بجائے اس نے غیر مسلموں کو اپنی زمینیں رکھنے کی اجازت دی اور ان پر وہ ٹیکس لگا دیا جو وہ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے فیصلے سے غیر مسلم خوش ہوئے کیونکہ اس نے انہیں اپنی زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ وہ، حکمران طبقہ نہیں، زرعی زمین کے مالک ہیں۔ سابقہ دور حکومت میں یہ غیر مسلم محض مزدور تھے جنہوں نے زمین کاشت کی اور اس کے بدلے میں عملی طور پر کچھ نہیں ملا۔ تمام آمدنی حکمران طبقہ لے جائے گا جب کہ ان کے پاس پیسے رہ جائیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے نے ان غیر مسلموں کو غیر مسلموں کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرنے کی ترغیب دی اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے ان کی خلافت کی وجہ سے پوری زمین میں پھیلنے والے انصاف اور امن کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 466-467 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، عام طور پر کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا فائدہ خود کو ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے...

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 6

“...اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے”

مالی معاملات

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت تیزی سے ترقی کرتی گئی، قوموں کے درمیان تجارت کے مواقع زیادہ قابل رسائی ہوتے گئے۔ بیرونی تجارت میں اضافے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی سلطنت سے آنے والے اور جانے والے ہر تاجر پر کسٹم ٹیکس لگا دیا، جیسا کہ اس وقت کی غیر ملکی قوموں نے کیا تھا۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ٹیکس کم سے کم ہو، اسے صرف ان لوگوں پر لاگو کیا جو اس کی استطاعت رکھتے تھے اور اکثر اسے معاف کر دیتے تھے جب یہ قوم کے مفاد میں ہوتا تھا۔ اس نرمی نے مختلف علاقوں کے تاجروں کو اسلامی ملک میں آنے اور جانے کی ترغیب دی۔ امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 468-472 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2076 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں پر رحمت کی دعا فرمائی جو مالی معاملات میں نرمی کرتے ہیں۔ جیسے کہ سامان کی خرید و فروخت اور جب وہ قرض کی واپسی کا مطالبہ

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مالی معاملات میں لالچی نہ ہوں کیونکہ لالچ کسی کو حرام کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو یہ ایک مسلمان کو رحم کی اس دعا سے محروم کر دے گا کیونکہ لالچ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے سے روک دے گا۔ سادہ الفاظ میں حرص انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب لے جاتا ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو اپنی اشیا کی زیادہ قیمت لگا کر دوسروں کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے، خاص کر عام مشکل کے وقت، جیسے کہ مالی بحران۔ تمام مالی معاملات میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام

معاملات دوسرے لوگوں پر واضح کر دیں کیونکہ چیزوں کو چھپانا، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابی، دھوکہ دہی ہے جو ایک سچے مسلمان کی خصوصیت کے خلاف ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب لوگ مالی معاملات میں دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے ان کی دولت سے اطمینان ختم ہو جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کتنی ہی حاصل اور ملکیت رکھتے ہیں۔ یہ بدلے میں ایک لالچی بننے کا سبب بنتا ہے۔

آخر میں، جب دوسرے مالی مشکلات میں ہوں تو ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق ان کی مدد کرنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد کا باعث بنتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ درحقیقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے واجب الادا قرض ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں معاف کر دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رویے کو اپنانا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق یکساں سلوک کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اس نے ہر مرد اور عورت میں یکساں مال تقسیم کیا خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ اسلام کی خاطر زیادہ خدمت کرنے والوں اور قربانیاں دینے والوں کو زیادہ کیوں نہیں دیتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن معاش اور مال کی تقسیم کے معاملے میں آپ کی نظر میں لوگ برابر ہیں۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 259-260 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے مال کی تقسیم کے وقت کچھ لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دی۔ ضرورت مندوں کو باقی سب پر ترجیح دی جاتی تھی، بالکل اسی طرح جیسے ابوبکر کے دور خلافت میں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ، بزرگ اور ابتدائی صحابہ کو، اور سپاہیوں کو زیادہ دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ زیادہ مستحق ہیں کیونکہ اسلامی ریاست ان کی قربانیوں پر قائم ہوئی تھی۔ وہ اسلام اور اس کے مقاصد کے بارے میں بھی زیادہ سمجھتے تھے اور اس کے قوانین پر زیادہ قریب سے عمل کرتے تھے اور اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے تھے۔ اس لیے ان کو دولت دینے سے پوری کمیونٹی مضبوط ہوتی ہے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے خاتمے تک اپنے طریقہ کار پر نظرثانی کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے راستے پر واپس آنے کا عزم کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 488 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، عمر رضی اللہ عنہ کا، ان کے طریقہ کار پر نظرثانی کرنا اور اسے تبدیل کرنے کا عزم کرنا ان چیزوں میں موافقت اختیار کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جن کا تعلق اسلام کے احکام و ممنوعات سے نہیں ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

قوم کے لیے خوف

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ اپنے حاصل ہونے والے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تقسیم کیا، لیکن مسلمانوں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے کھانے کے نتائج سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے تھے۔ مثال کے طور پر جب اس نے فارس کی فتح کے بعد اس کے پاس آنے والی کثیر دولت کو دیکھا تو وہ رو پڑا۔ جب اس کے رونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے بتایا کہ دولت ہی لوگوں میں اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور دشمنی اور نفرت کا باعث بنتی ہے۔ اوقات، جلد 1، صفحہ 488-489 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کی غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے وہ ڈرتا تھا کہ دنیا ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے جو ان کی تباہی کا باعث بنے گا کیونکہ اسی مقابلے نے پچھلی قوموں کو تباہ کیا تھا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیرئیر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی کوئی ان چیزوں کے حصول سے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، اس کی ضرورت سے بڑھ کر اسے آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا۔ یہ انہیں فضول خرچی اور اسراف جیسے برے کردار کی طرف لے جائے گا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ مال حاصل کرنے یا چھٹیوں پر جانے کے لیے آدھی رات کو خوشی خوشی اٹھتے ہیں لیکن جب رضاکارانہ طور پر رات گزارنے کا مشورہ دیا جائے تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ نماز پڑھنا یا صبح کی فرض نماز میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنا۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مشغول ہو جائیں گے کیونکہ جتنا کوئی اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا۔ اس لیے اس حدیث میں جو تنبیہ دی گئی ہے وہ ان پر لاگو ہوگی۔

ججوں کے لیے ایک سبق

جیسے جیسے اسلامی سلطنت پھیل رہی تھی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے گورنروں اور ججوں کو آزادانہ فیصلے کرنے کا اختیار دینے پر مجبور کیا گیا، کیونکہ وہ ہمیشہ ان کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ عوام کے ساتھ اپنے معاملات میں ہمیشہ انصاف اور نرمی کا مظاہرہ کریں اور قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو ہر وقت نافذ کریں۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک مرتبہ اپنے گورنروں میں سے ایک ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ ان مقدمات کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ان کے سامنے پیش کیے گئے تھے۔ اس نے اسے تنبیہ کی کہ جب وہ ان کے ساتھ معاملہ کرے تو تمام لوگوں سے یکساں سلوک کرے تاکہ کوئی بھی شریف آدمی یہ امید نہ رکھے کہ وہ اس کا ساتھ دے گا اور کوئی سماجی طور پر کمزور شخص انصاف سے مایوس نہیں ہوگا۔ انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ لوگوں کو اپنے تنازعات میں سمجھوتہ کرنے کی ترغیب دیں جب تک کہ اس سے اسلام کے قوانین کی خلاف ورزی نہ ہو۔ اس نے اس سے کہا کہ اپنی رائے بدلنے میں نہ شرمناؤ، خواہ ایک دن گزر جائے، کیونکہ حق کی طرف لوٹنا باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ قرآن مجید کے متن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر کاربند رہے اور اس کے بعد ہی آزاد استدلال کو نافذ کرے جو ہدایت کے دو منابع کے مطابق ہو۔ تمام فیصلے شواہد اور حلف کی بنیاد پر ہونے تھے۔ اُس نے اُسے بے صبری سے خبردار کیا، کیونکہ سچائی کے مطابق فیصلہ کرنے سے بڑا اجر ملتا ہے۔ اور اسے ہمیشہ اچھی نیت اختیار کرنی چاہیے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔ جبکہ اگر اس نے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت غلط نیت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دے گا۔

معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے نام ایک اور خط میں انہوں نے اس سے ملتی جلتی باتوں کا تذکرہ کیا ہے جو پہلے زیر بحث آچکی ہیں اور مزید کہا ہے کہ اپنے پاس آنے والے سماجی طور پر کمزور کے ساتھ نرمی برتیں، تاکہ وہ ان کے پاس آئیں۔ بولنے کی ہمت۔ اسے اجنبی کا خیال رکھنا چاہیے، کیونکہ اگر اس کے کیس کی تحقیقات میں دیر لگتی ہے، تو وہ ہار مان سکتا ہے اور انصاف حاصل کیے بغیر اپنے خاندان کے پاس واپس آ سکتا ہے۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ دو مخالف فریقوں کے درمیان صلح کرنے کی بھرپور کوشش کرے، جب تک کہ یہ اسلامی قانون سے متصادم نہ ہو یا یہ واضح نہ ہو جائے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط، کیونکہ مفاہمت دونوں فریقین کو راضی

کرنے کا باعث بنتی ہے، جب کہ فیصلہ ایک دوسرے کے حق میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے اکثر فیصلہ ہوتا ہے۔ رنجشوں کو

اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 497-499 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور ”رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔¹ پس [جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

انصاف پسند ججز

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صرف نیک لوگوں کو قاضی مقرر کیا اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 501 میں بحث کی گئی ہے۔

نیک لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور یہ خوف انہیں لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے اپنے فرض میں کوتاہی کرنے سے روکتا ہے۔

اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر نیکی حاصل نہیں ہو سکتی تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا پڑے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک صالح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔ لہذا، راستبازی کا ایک پہلو یہ ہے کہ ایسی چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ صرف ناجائز۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلاشبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

خامیاں کم کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ صرف ان کے گورنر ہی قانونی مقدمات کا فیصلہ دے سکتے ہیں جن میں قانونی انتقام شامل ہو۔ مطلب، ہر علاقے کے ججوں کو فیصلے کے لیے کیس کو اپنے گورنروں کے پاس بھیجنا پڑتا تھا۔ لیکن اس نے ان مقدمات کو محدود رکھا جن میں قانونی انتقام شامل تھا جس کی وجہ سے سزائے موت ہوتی ہے، صرف اپنے تک۔ یعنی کوئی قاضی یا گورنر عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر سزائے موت کا اختیار نہیں دے سکتا تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 502 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ میں کسی ممکنہ غلطی کے امکان کو مزید کم کرنے کے لیے ایسا کیا۔

یہ بحث باب 2 البقرہ، آیات 178-179 سے مربوط ہے

تم پر قتل ہونے والوں کا قانونی بدلہ مقرر کیا گیا ہے... لیکن جو شخص اپنے بھائی [یعنی قاتل] کی طرف سے کسی چیز سے چشم پوشی کرے... یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور "رحمت ہے... اور تمہارے لیے قانونی انتقام میں جان ہے۔ اے اہل عقل، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

قانونی انتقام میں زندگی ہے کیونکہ بہت سے قاتلوں کو پھانسی سے کم کسی سزا سے مزید قتل کرنے سے باز نہیں رکھا جاتا۔ ایسی لاتعداد مثالیں ہیں جہاں ایک قاتل نے صرف چند سال جیل سے رہا ہونے کے بعد دوبارہ قتل کا ارتکاب کیا ہو۔ تو ایک شخص کی پھانسی دوسروں کی جان بچانے کا باعث بنتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ قانونی انتقام مقتول کے لواحقین کی ذہنی حالت میں بھی مدد کر سکتا ہے کیونکہ یہ جاننا کہ قاتل نے اس جرم کی قیمت اپنی جان دے کر ادا کی ہے، مقتول کے لواحقین کو ان کی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے میں مدد کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ لیکن جب قاتل کو صرف جیل میں ڈالا جاتا ہے اور بہت سے معاملات میں بالآخر رہا کر دیا جاتا ہے تو قتل کو یاد کرنے کی تکلیف مقتول کے رشتہ داروں کو آگے بڑھنے اور سکون سے رہنے سے روک سکتی ہے۔ اس ذہنی اذیت کو روکنا انہیں زندگی بخش رہا ہے۔ اسی طرح، جب حکومت کسی مجرم کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتی ہے تو متاثرہ کے لواحقین اکثر یہ محسوس کرتے ہیں کہ انصاف نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ جان بوجھ کر قتل کے معاملات میں مقتول کے لواحقین کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ یا تو قاتل کو پھانسی دے دیں یا مالی معاوضے کے بغیر معاف کر دیں۔ جب فیصلہ متاثرہ کے لواحقین کے پاس رکھا جائے گا تو اس سے ذہنی تناؤ کا امکان کم ہو جائے گا جو کہ حکومت کی جانب سے نتائج کا فیصلہ کرنے کی صورت میں پیدا ہوگا۔ یہ ایک بار پھر متاثرہ کے رشتہ داروں کو ناراضگی سے بھری زندگی گزارنے کے بجائے اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے کی اجازت دیتا ہے، جو حقیقت میں بالکل بھی نہیں جی رہی ہے۔

پھانسی کے ذریعے قانونی انتقام انتقامی قتل کی روک تھام کے ذریعے جانیں بھی بچاتا ہے جو نسلوں تک پھیل سکتا ہے۔ لہذا ایک قاتل کو پھانسی دینے سے کئی ہلاکتوں سے بچا جا سکتا ہے۔

پھانسی کے ذریعے قانونی انتقام بھی عام لوگوں کے لیے ایک مضبوط رکاوٹ کا کام کرتا ہے جس کی نشاندہی اس آیت کے آخری حصے سے ہوتی ہے۔ جب وہ قاتلوں کو پھانسی دیے جانے کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کو روکے گا جو کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی جان کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لیں اور اس طرح اپنی اور دوسروں کی جانیں لیں۔ اس کا اطلاق ہر قسم کے جرائم پر ہو سکتا ہے۔ اگر عصمت دری جیسے جرائم کی سزا زیادہ سنگین تھی تو یہ بہت سے ممکنہ مجرموں کو جرائم کرنے سے روک دے گی۔ زیادہ تر ممالک میں جرائم کی شرح میں کمی نہ ہونے کی ایک اہم وجہ نرم قوانین کا ہونا ہے۔

قانونی انتقام کا ایک پہلو قاتل کو معاف کرنا ہے۔ احسان کا یہ عمل قاتل کو اپنے جرم کی زندگی سے مخلصانہ توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ دوسرے ممکنہ متاثرین اور ان کے لواحقین کو بھی اپنے مظلوموں کو معاف کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے، جس سے معاشرے میں امن اور رحمت پھیلتی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جب قانونی معاملات میں اسلامی قانون کی پیروی کی جائے اور ان کا صحیح اطلاق کیا جائے تو یہ سب درست ہیں۔ کسی کو قتل کے جرم میں سزا دینے کے لیے حقیقی اور مضبوط شواہد کی ضرورت ہوتی ہے، جو کہ ہر طرح کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ، اس دن اور عمر میں یہ حاصل کرنا آسان ہے جہاں سی سی ٹی وی فوٹیج، ڈی این اے ٹیسٹنگ اور دیگر سائنسی طریقہ کار تیار کیے گئے ہیں جو مجرموں کو درست طریقے سے اعلیٰ درجے کی یقین دہانی کر سکتے ہیں۔ یہ سب ایک بے گناہ شخص کو سزا سنانے کا موقع کم سے کم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر غیر اسلامی ممالک صرف ان مخصوص معاملات میں قانونی انتقام کو درست طریقے سے نافذ کریں تو اس سے جرائم میں نمایاں کمی آئے گی۔ ان معاملات میں کسی بے گناہ کو پھانسی دینے کے خوف سے پھانسی سے بچنے کا عذر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح شخص کو پھانسی دی گئی ہے۔

لیکن جیسا کہ زیر بحث مرکزی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے صرف وہی لوگ اس بات کو سمجھیں گے جو اپنی سوچ کو صحیح طریقے سے لاگو کریں گے۔ مثال کے طور پر، جس میں سمجھ کی کمی ہے وہ اپنی جان بچانے کے لیے جسم کے کسی حصے کو کاٹنا چھوڑ دے گا کیونکہ وہ اس بیان کے صرف ایک پہلو پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، یعنی جسم کے کسی حصے کو کاٹنا۔ وہ بڑی تصویر کے معنی پر غور نہیں کرتے، اپنی جان بچاتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں وہ جسم کے کسی حصے کو کاٹنے سے انکار کرتے ہیں۔ جبکہ واضح طور پر سوچنے والا اس بات سے اتفاق کرے گا کہ جسم کے کسی حصے کو کاٹنا بہت سنگین ہے لیکن اسے چھوڑنا بدتر چیز کا باعث بنے گا، یعنی موت۔ لہذا وہ بڑی تصویر پر غور کرتے ہیں اور جسم کے کسی حصے کو کاٹنے کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق زیر بحث آیت پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ معاشرے کے کسی فرد کو قتل کے جرم میں پھانسی دینا سخت لگتا ہے لیکن اگر اس سے مقتول کے لواحقین سمیت باقی معاشرے کے لیے بہت سے فائدے ہوتے ہیں تو یہ معنی خیز ہے کیونکہ ایک حکومت کو اس بڑی تصویر کے معنی پر غور کرنا چاہیے، پورے معاشرے کی فلاح و بہبود پر ایک سزا یافتہ قاتل یا بہت ہی غیر معمولی معاملات میں غلط طور پر سزا یافتہ شخص کی واحد زندگی۔

دنیاوی چیزوں سے لاتعلقی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب گورنر اور قاضی مقرر کرتے تو ایسے لوگوں کی تلاش کرتے جو دنیاوی چیزوں کے حصول اور ذخیرہ اندوزی میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا تھا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم نہیں کر سکتا، سوائے اس کے جو لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش نہ کر رہا ہو، دکھاوے اور کوئی مادی عزائم نہ رکھتا ہو۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 503 میں بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کے سامان سے لاتعلق شخص کو مقرر کرنا بھی اس وقت حاصل ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ کسی اچھے آدمی کو قاضی بنایا جائے۔ ایک خوشحال شخص کو دوسروں کی دولت کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور اس وجہ سے امیر لوگوں سے متعلق فیصلے کرتے وقت متاثر نہیں ہوگا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 505 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4102 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور لوگوں کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتا ہے جو اس کی ضرورت سے باہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اس دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات اسلام کی تعلیمات کے مطابق پوری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور ان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں۔ مادی دنیا کی کوئی بھی چیز جو ان چیزوں میں کسی کی مدد کرتی ہے وہ حقیقت میں دنیاوی چیز نہیں ہے۔ اس لیے ان سے اجتناب ضروری نہیں۔ لیکن ان چیزوں سے بچنا چاہیے جو ان فرائض کی انجام دہی میں یا تو رکاوٹ بنتی ہیں یا روکتی ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان

دنیا کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتا ہے دل میں نہیں۔ اس طرح ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرتا ہے کیونکہ یہ رویہ انہیں اس کی اطاعت میں کوشش کرنے پر مجبور کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو راغب کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان اپنے دنیوی مالوں سے بچ کر اور اس کی خواہش کر کے لوگوں کی محبت حاصل کر سکتا ہے۔ حقیقت میں، ایک شخص دوسروں کے ساتھ صرف اس وقت منفی رویہ اختیار کرتا ہے جب وہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرے فعال طور پر ان کے مال کی خواہش رکھتے ہیں یا جب دوسرے دنیاوی چیزوں کے لیے سرگرمی سے مقابلہ کرتے ہیں جن کی وہ خود خواہش کرتے ہیں۔ یعنی اپنے پاس جو کچھ ہے اسے کھونے اور ان چیزوں کو کھونے کا خوف جو دوسروں کے ساتھ مقابلے کے ذریعے اس کی خواہش دوسروں کے تنہا منفی جذبات کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس حدیث کے پہلے حصے پر عمل کرنے کے بجائے اپنے آپ کو مشغول کر لے تو یہ انہیں فاضل دنیاوی چیزوں کا مقابلہ کرنے سے روک دے گا جن کی دوسروں کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ ان خواہشات کی اکثریت غیر ضروری دنیاوی چیزوں کے لیے ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان دوسروں کے نفس اور مال سے اپنے نقصان کو دور رکھے جو سنن نسائی نمبر 4998 کی حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی نشانی ہے تو وہ لوگوں کی محبت بھی حاصل کر لے گا۔

جہالت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب گورنر اور جج مقرر کرتے تھے تو وہ ایسے لوگوں کی تلاش کرتے تھے جو اسلامی علم میں پختہ ہوں، خواہ ان کا سماجی پس منظر کچھ بھی ہو۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 503 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرز عمل کی مثال قرآن پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔ (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی ... "کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔"

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

نمبر 2322 میں موجود جامع ترمذی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک حدیث میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس ذکر سے جو بھی تعلق ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب

یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کر کے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر میں موجود حدیث سے 224 نمبر سکیں اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ ہوتی ہے۔

سپیریئر والے

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایسے حاکم اور قاضی مقرر کرتے تھے جو اتنے مضبوط کردار کے مالک ہوتے تھے کہ ظالم جب ان کی طرف دیکھتا تو ڈر جاتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 504-505 میں بحث کی گئی ہے۔

اس میں وہ بھی شامل ہے جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم ہے تاکہ یہ ان کے ظاہری معنی، ان کے قول و فعل میں ظاہر ہو۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4119 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین لوگ وہ ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلائیں جب ان کا مشاہدہ کیا جائے۔

یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ نہیں کرتا جو اسلامی ظاہری شکل اختیار کرتے ہیں، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد بالکل نہیں دلاتے ہیں۔ اس حدیث سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی علم سیکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کریں، اس کے احکام کو پورا کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کریں۔ اس پر اس سے دل کی تپہیر ہوتی ہے جو اس کے ظاہری اعضاء کی پاکیزگی کا باعث بنتی ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ جب وہ ان صالح مسلمانوں کو دیکھیں گے تو اس سے دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے۔ اور یہ ذکر تب ہی بڑھے گا جب یہ نیک مسلمان بولتے ہیں جیسے کہ وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے بات کرتے ہیں، یعنی وہ برائی اور فضول باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صرف دنیا اور آخرت کے فائدے کی بات کرتے ہیں۔ یہ یاد اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کوئی ان کے اعمال کو دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو عملی طور پر نافذ کرتے ہیں،

صرف ان طریقوں پر عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں، دیتے ہیں اور روکتے ہیں۔ یہ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا باعث بنتا ہے۔

مشاورت کی اہمیت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں اور قاضیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کے معاملات میں دوسروں سے مشورہ کریں۔ وہ انہیں اللہ سے ڈرنے والوں سے مشورہ کرنے کا مشورہ دیتے۔ امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 506 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43

”پس اہل پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔“

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

مساوی سلوک

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ سماجی پس منظر سے قطع نظر ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے، خواہ اس کیس میں خود بھی شامل ہوں۔ ایک دفعہ ان کا ایک دوسرے صحابی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوا۔ وہ اپنا جھگڑا زید بن ثابت کے پاس لے گئے جنہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو بیٹھنے کے لیے ایک تکیہ پیش کیا اور ان کے نام کے بجائے ان کے لقب سے خطاب کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی سرزنش کی اور اسے تنبیہ کی کہ وہ اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جیسا کہ وہ ہر اس شخص کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے پاس حکم کے لیے آتا ہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ ابی رضی اللہ عنہ کے پاس فرش پر بیٹھ گئے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 506-507 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو

دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پربیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

متوازن ذہنی حالت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ججوں کو تنبیہ کی کہ جب وہ جذباتی ہو، جیسے: بوریث، غصہ، اضطراب وغیرہ، فیصلہ نہ سنائیں، کیونکہ ان کا فیصلہ ان کی نفسیاتی حالت سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 507 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو متوازن ذہنی حالت کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ زندگی یہ تب ہوتا ہے جب کوئی اپنے جذبات کو اس طرح قابو میں رکھنے میں صحیح فیصلے کر سکے۔ کی کوشش کرتا ہے کہ وہ خود کو انتہائی جذباتی حالتوں کا تجربہ نہ ہونے دے کیونکہ یہ اکثر تناؤ اور ذہنی عارضے کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ 57 الحديد آیت 23 میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس "پر فخر نہیں کریں گے۔"

اسلام کسی کو جذبات کے اظہار سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ انسان ہونے کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ دماغ کی متوازن حالت کا مشورہ دیتا ہے جس کے تحت کوئی ایک انتہائی جذبات سے دوسرے جذبات میں نہیں جھولتا۔ مشکل حالات میں اداس ہونا قابل قبول ہے لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، جو کہ انتہائی اداسی ہے، کیونکہ یہ اکثر دیگر ذہنی عوارض جیسے کہ ڈپریشن کا باعث بنتا ہے۔ اور خوش رہنا قابل قبول ہے لیکن انسان کو ضرورت سے زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے یعنی خوش ہونا، کیونکہ یہ اکثر دونوں جہانوں میں گناہوں اور پشیمانیوں کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کو مشکل کے وقت ان لاتعداد نعمتوں کو یاد کر کے ایک متوازن ذہنی حالت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو اس کے پاس اب بھی موجود ہیں جو کہ انتہائی اداسی یعنی مایوسی کو روکتی ہیں۔ اور آسانی کے وقت ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو چیز انہیں خوش کرتی ہے اس کے لیے ان سے جوابدہ ہو گا اور اگر وہ اس کا غلط استعمال کریں گے یا اس سے منسلک فرائض کی ادائیگی

میں کوتاہی کریں گے تو انہیں اس کی سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ کسی کو حد سے زیادہ خوش ہونے سے روکے گا، یعنی پرجوش۔

دماغ کی متوازن حالت ہمیشہ بہترین ہوتی ہے جو انتہائی موڈ کے منفی اثرات کو روکتی ہے۔ یہ ایک مسلمان کو حقیقی ذہنی سکون اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب لے جائے گا، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔

غصے سے بچنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ججوں کو خبردار کیا کہ وہ غصے میں فیصلہ نہ سنائیں کیونکہ اس سے ان کے فیصلے پر منفی اثر پڑے گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 508 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر، اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کو قابو میں رکھے تاکہ یہ اسے گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134:

جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند ” کرتا ہے۔“

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ غصے والے شخص کو 3282 شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت، جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابو داؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنی جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے، الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن

ماہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوط انسان قرار دیا ہے۔ درحقیقت نگلنے والا اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا غصہ، یعنی وہ اپنے غصے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں کرتے، ان کا دل سکون اور سچے ایمان سے بھر جائے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88 اور 89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ”ساتھ آتا ہے۔“

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا، جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن پاک تھی، جو صحیح مسلم نمبر 1739 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر راضی ہو گا جس سے وہ راضی ہو گا اور جس سے ناراض ہو گا اس پر ناراض ہو گا۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابل ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا

دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے: خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

رشوت سے بچنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں اور ججوں کو تجارتی سودوں میں حصہ لینے یا کسی سے تحائف لینے سے منع کیا تھا، کیونکہ یہ ان کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے، اس لیے رشوت کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 508 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1337 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں ملعون ہیں۔

لعنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ختم کرنا شامل ہے۔ جب ایسا ہو جائے تو دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں حقیقی دائمی کامیابی ممکن نہیں۔ رشوت کے ذریعے دولت جیسی جو بھی دنیاوی کامیابی حاصل ہوتی ہے وہ دونوں جہانوں میں بڑی مشکل اور عذاب کا باعث بنتی ہے بشرطیکہ کوئی سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر ایمان کے تین پہلوؤں کا صحیح طور پر پورا ہونا ممکن نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔

گناہ دنیا کے تمام حصوں میں بہت عام ہو گیا رشوت کا بڑا اس دن اور دور میں، بدقسمتی سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں یہ کھلے عام اور زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں خفیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، رشوت میں ایک شخص شامل ہوتا ہے جو بااثر لوگوں کو تحفہ پیش کرتا ہے، جیسے کہ جج، کچھ حاصل کرنے کے لیے جو ان کی نہیں ہے۔ صرف اس وقت رشوت کو گناہ کے طور پر درج نہیں کیا جائے گا جب کسی کو اپنی جائیداد

کی واپسی کے لیے رشوت دینے پر مجبور کیا جائے۔ اس معاملے میں لعنت ہے رشوت لینے والے پر۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی رشوت خوری اور دیگر بدعنوانی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں خود ان سے بچنا چاہیے۔ جب یہ درست رویہ انفرادی سطح پر اپنایا جائے گا تو اس کا اثر سماجی اور سیاسی عہدوں پر فائز افراد پر پڑے گا۔ ان لوگوں کے اس طرح کام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاشرے کو بذات خود بدعنوانی پر عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر انفرادی سطح پر معاشرہ ان طریقوں کو مسترد کر دے تو سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ کا حامل کوئی بھی فرد اس طرح کام کرنے کی ہمت نہیں کرے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ لوگ اس کے ساتھ کھڑے نہیں ہوں گے۔

اچھا علاج

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ کسی جرم کا الزام ثابت ہونے تک اسے مجرم نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 511 میں بحث کی گئی ہے۔

کوئی بھی دوسروں کے ساتھ صحیح رویہ اپنا سکتا ہے جب وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس

درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت۔ اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 26

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔۔۔"

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

پڑوسی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنایا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اس سے شکایت کی کہ اس کا پڑوسی اسے ان کی جائیدادوں میں سے ندی کھودنے سے روک رہا ہے جبکہ اس سے دونوں کو فائدہ ہوگا اور اس سے اس کے پڑوسی کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پڑوسی کو بلایا اور اسے راضی ہونے کی ترغیب دی۔ جب وہ انکار پر اڑے رہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خواہش کے خلاف اسے قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ صحیح مسلم نمبر 4130 میں موجود اس حدیث پر عمل کر رہے تھے کہ مسلمان اپنے پڑوسی کو دیوار میں شہتیر لگانے سے نہ روکے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 534 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کے حقوق کی پامالی کا جدید دور کا فلسفہ وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑوسی کو کرنے سے روکا۔

عام طور پر دیکھا جائے تو صحیح بخاری نمبر 6014 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس حد تک ترغیب دی گئی کہ آپ کے خیال میں پڑوسی اس کا وارث بن جائے گا۔ ہر مسلمان

بدقسمتی سے، اس فرض کو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی شخص کے پڑوسی میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مسلمان کے گھر کی طرف ہر سمت چالیس گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 109 میں ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 174 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ، بزرگی اور یوم آخرت پر ایمان کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑ دیا ہے۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 119 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جس عورت نے اپنے فرض کو پورا کیا اور بہت زیادہ نفلی عبادت کی وہ جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے اپنی تقریر کے ذریعے اپنے پڑوسیوں سے برا سلوک کیا۔ اگر اپنے پڑوسی کو الفاظ کے ذریعے نقصان پہنچانے والے کا یہ حال ہے تو کیا کوئی اپنے پڑوسی کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتا ہے؟

مسلمان کو اپنے پڑوسی کی طرف سے بدسلوکی پر صبر کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو ایسے معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ نیکی کا بدلہ اچھائی سے مشکل نہیں ہے۔ اچھا پڑوسی وہ ہے جو نقصان کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے پڑوسی کی جائیداد کی نجی جگہ کا احترام کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی انہیں سلام کرنا چاہئے اور زیادہ دخل اندازی کئے بغیر انہیں مدد کی پیشکش کرنی چاہئے۔ کسی شخص کے لیے جو بھی ذریعہ دستیاب ہو، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد سے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے عیبوں کو ہمیشہ چھپائے۔ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اور جو دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو ظاہر کرے گا اور انہیں کھلم کھلا رسوا کرے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4880 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جہاں عظمت مضمر ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا درجہ تقویٰ پر ہے اور کچھ نہیں۔ ایک موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے حج کے دوران اپنے مکہ کے گورنر سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ نے ان کی غیر موجودگی میں مکہ کا انچارج کس کو چھوڑا ہے؟ گورنر نے ایک آزاد کردہ غلام کا ذکر کیا اور مزید کہا کہ وہ قرآن پاک کا علم اور وراثت کے قوانین کا علم رکھتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے بعض کے درجات بلند کرتا ہے اور بعض کو پست کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 218 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عظمت اور حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی چیزوں سے نہیں ہے، جیسے کہ دولت یا شہرت۔ انسان کو ان چیزوں کے ذریعے دنیاوی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قسم کی کامیابی بہت عارضی ہوتی ہے اور آخر کار انسان کے لیے بوجھ اور ندامت بن جاتی ہے۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ نہیں ماننا چاہیے کہ برتری ان چیزوں میں مضمر ہے اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے انہیں حاصل کرنے کے لیے خود کو وقف کر دیتی ہے۔ اور نہ ہی انہیں دوسروں کو نیچا دیکھنا چاہئے جن کے پاس یہ دنیاوی چیزیں نہیں ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی کوئی قدر و اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ رویہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6071 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اہل جنت وہ ہیں جنہیں معاشرہ حقیر سمجھتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر انہوں نے حلف اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے پورا کرے گا۔

دنیا اور آخرت میں حقیقی عزت، کامیابی اور عظمت صرف تقویٰ میں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی جس قدر خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، وہ اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں۔ معاشرے کے لیے غیر معمولی .

باب 49 الحجرات آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”
پرہیزگار ہے۔“

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس میں حقیقی کامیابی تلاش کرے اور دنیاوی چیزوں میں اس
کی تلاش میں اپنا وقت اور محنت ضائع نہ کرے ورنہ وہ آخرت میں بڑے خسارے میں پہنچ سکتا
ہے۔ باب 18 الکہف، آیات 103-104

کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتائیں گے؟“

خوابشمنند قیادت

گورنروں کا انتخاب کرتے وقت، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے پیشروؤں کی رہنمائی کی پیروی کی اور صرف اہل اور قابل اعتماد لوگوں کو مقرر کیا۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس نے کسی ایسے شخص کو کسی گروہ پر مقرر کیا جب کہ کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور اس کے لائق ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی۔ اور مومنین ایک اور موقع پر، اس نے لوگوں کو دنیاوی رشتوں، جیسے دوستی یا خون کے رشتوں کی بنیاد پر دوسروں کو مقرر کرنے کے خلاف خبردار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنر یا قاضی مقرر کرنے سے گریز کیا، حالانکہ ان میں سے بہت سے اس کے لائق تھے، جیسے کہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ اس کے علاوہ انہوں نے کبھی کسی کو بھی قیادت کا مطالبہ کرنے والا مقرر نہیں کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 45-46 اور 49-50 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑیوں کا ایک ریوڑ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

زندگی ایک آئینہ ہے۔

لوگوں کو سردار اور گورنر مقرر کرتے وقت، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ وہ نرم مزاج اور نرم مزاج ہوں۔ انہوں نے اپنے تمام قائدین پر زور دیا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کریں جو ان کی دیکھ بھال میں ہیں۔ ایک موقع پر، اس نے ایک آدمی کو قیادت کے لیے مقرر کرنا چاہا۔ جب یہ شخص عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو وہ اپنے بچے کو بوسہ دے رہا تھا، اس نے کہا کہ میں نے اپنے کسی بچے کو کبھی نہیں چوما۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ کہہ کر تنقید کی کہ وہ اپنے زیرکفالت لوگوں پر رحم نہیں کریں گے اور اس لیے انہیں قائدانہ کردار پر مقرر نہیں کیا۔

انہوں نے ایک بار نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی تحمل پسند نہیں ہے اور کسی رہنما کی تحمل اور مہربانی سے زیادہ دور رس نہیں ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی چیز اس سے زیادہ ناپسندیدہ اور دور رس راہنمائی کی جہالت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 48-49 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب 24: النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر ... " دے؟

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

احتساب

کسی شخص کو قائدانہ کردار تفویض کرنے سے پہلے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ان کی مجموعی مالیت کو ریکارڈ کرتے اور ملازمت کا معاہدہ ختم ہونے کے بعد اس کا جائزہ لیتے۔ اگر اسے ان کی مجموعی مالیت میں اضافہ نظر آتا ہے جو اس کے مختص کردہ آمدنی سے مماثل نہیں ہے تو وہ ان سے منافع لے گا اور دولت کو سرکاری خزانے میں ڈال دے گا۔ اس نے انہیں کاروباری لین دین سے منع کیا، کیونکہ ان کا قائدانہ کردار ان کے حق میں تعصب کا سبب بن سکتا ہے، جسے رشوت کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نے انہیں کسی قسم کا تحفہ قبول کرنے سے بھی منع کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 50-51 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، ہر شخص کو اپنے آپ کو اسی طرح جوابدہ ہونا چاہئے جس طرح عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اور اپنے ملازمین کو مسلسل جوابدہ ٹھہرایا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے بہتر واقف نہیں ہے۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام

ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8:

پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا " وہ اسے دیکھ لے گا۔

ملازمت کی شرائط

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی کو قائدانہ کردار کے لیے مقرر کرتے تو وہ ایک معاہدہ لکھتے، اس میں گواہی دیتے اور اس میں درج ذیل چیزیں شامل ہوتیں: وہ اشرافیہ کے گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے، عمدہ کھانا نہیں کھاتے ہیں۔ وہ عمدہ لباس نہیں پہنتے تھے اور مسلمانوں کے لیے اپنے دروازے بالکل بند نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 51 میں بحث کی گئی ہے۔

اس نے قائدین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق سادہ طرز زندگی اپنانے پر مجبور کیا جس سے عام لوگوں کو اس کی پیروی کرنے کی ترغیب ملے۔ اس کے علاوہ، ایک سادہ زندگی گزارنا اس بات کو یقینی بنائے گا کہ سماجی طور پر کمزور افراد ان سے غیر منصفانہ سلوک سے خوفزدہ نہیں ہوں گے، کیونکہ ان کے رہنما خود ان کے سماجی طبقے میں شامل ہوں گے۔ اور اشرافیہ کا طبقہ اپنے حق میں فیصلے دینے کی ہمت نہیں کرے گا، کیونکہ اکثر عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لیڈروں کا یہی رویہ ہوتا ہے۔ آخر میں، ایک سادہ زندگی گزارنا اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے اور ان کا حکم دینے کے بجائے آخرت کی تیاری پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ یہ عملی تیاری دوسروں کے ساتھ انصاف کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ان کی مدد کرے گی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جاسکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

بلائنڈ ٹرسٹ سے بچنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان لوگوں پر اندھا اعتماد نہیں کرتے تھے جنہیں وہ گورنر مقرر کرنا چاہتے تھے۔ وہ سب سے پہلے ان کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کا امتحان لیتا اور اگر وہ متاثر ہوتا تو انہیں مقرر کرتا۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک دفعہ احنف ابن قیس رحمہ اللہ کو گورنر مقرر کرنے سے پہلے صرف ایک سال تک ان کی آزمائش کے لیے اپنے پاس رکھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 53 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک سچا مومن لوگوں پر اندھا اعتماد نہیں کرتا جس سے ان کے ساتھ ظلم ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی کی طرف سے بے وقوف بنائے گئے ہیں تو انہیں نظر انداز کرنا چاہئے اور معاف کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... "دے؟

لیکن انہیں اس شخص کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلتے ہوئے اپنے رویے کو بھی بدلنا چاہیے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ وہ دوبارہ بے وقوف نہ بنیں۔ دوسروں کو معاف کرنے اور ان پر اندھا بھروسہ کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے، خاص طور پر جب وہ کسی پر ظلم کرتے ہیں۔

ایک لیڈر کو مشورہ

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے احنف ابن قیس رحمہ اللہ کو اپنا گورنر مقرر کیا تو آپ نے انہیں کچھ نصیحتیں کیں جو امام محمد السلبی رحمۃ اللہ علیہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں درج ہیں۔ لائف اینڈ ٹائمز، جلد 2، صفحہ 53۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نصیحت کی کہ جو بہت زیادہ ہنستا ہے اس کی عزت ختم ہوجاتی ہے اور جو زیادہ مذاق کرتا ہے اس کی عزت ختم ہوجاتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے والے پر تین بار لعنت فرمائی ہے۔

حق پر قائم رہتے ہوئے مذاق کرنا گناہ نہیں ہے لیکن مستقل مزاجی سے کرنا مشکل ہے۔ حد سے زیادہ مذاق کرنے والا بالآخر پھسل جائے گا اور ایسے الفاظ کہے گا جو گناہ کے ہیں، جیسے جھوٹ، غیبت یا دوسروں کا مذاق اڑانا۔ لہذا حد سے زیادہ مذاق کرنے سے بچنا زیادہ محفوظ ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 1995 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حد سے زیادہ مذاق کرنے والا خواہ وہ ہمیشہ سچ بولنے اور کسی کی دل آزاری نہ کرنے کا انتظام کرے تو اس کا سامنا روحانی سے ہوگا۔ وہ بیماری جس کے بارے میں سنن ابن ماجہ نمبر 4193 کی حدیث میں وارد ہوا ہے، یعنی روحانی طور پر مردہ دل۔ یہ اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جو بہت زیادہ مذاق کرتا ہے اور ہنستا ہے کیونکہ یہ ذہنیت اس سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ مضحکہ خیز معاملات پر سوچیں اور ان پر گفتگو کریں اور سنگین مسائل سے گریز کریں۔ موت اور آخرت کی تیاری کا معاملہ سنگین مسائل ہیں اور اگر کوئی ان کے بارے میں سوچنے اور بحث کرنے سے گریز کرے تو وہ ان کے لیے کبھی بھی صحیح طریقے سے تیاری نہیں کرے گا۔ تیاری کی یہ کمی ان کے روحانی دل کی موت کا سبب بنے گی۔ درحقیقت جو شخص آخرت کے بارے میں جتنی سنجیدگی سے غور کرے گا

اتنا ہی کم ہنسے گا اور مذاق کرے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6486 کی ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اکثر مذاق کرنا بھی دوسروں کو ان کے لیے احترام سے محروم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ یہ بہت سے مسائل کا سبب بن سکتا ہے، جیسے کہ جب وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں تو اس کو سنجیدگی سے نہ لینا چاہیے وہ ان کے اپنے بچوں کو ہی کیوں نہ ہو۔

ضرورت سے زیادہ مذاق اکثر لوگوں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے کیونکہ کوئی آسانی سے چیزوں کو سنجیدگی سے لے سکتا ہے۔ یہ ٹوٹے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کی طرف جاتا ہے۔ درحقیقت، بہت سے لوگ لطیفوں کی وجہ سے جسمانی اور جذباتی طور پر زخمی بھی ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ مذاق کرتے وقت اونچی آواز میں یا بھرے منہ سے ہنسنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6092 میں موجود حدیث کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی مسکراہٹ تھی۔

ایک مسلمان کو ہر قیمت پر جھوٹ بولنے سے گریز کرنا چاہیے یہاں تک کہ مذاق کرتے ہوئے بھی اس سے وہ جنت کے بیچ میں گھر حاصل کر لے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4800 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان کو بالکل بھی مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے گناہوں سے بچتے ہوئے وقتاً فوقتاً مذاق کرنا، جیسے جھوٹ بولنا، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کبھار مذاق کیا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1990 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی

ہے۔ یہ حد سے زیادہ مذاق ہے جو کہ اگر گناہ سے متعلق ہو تو ناپسندیدہ اور گناہ ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جان بوجھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی روایت کی غلط تشریح کرنا گناہ ہے۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منسلک کوئی گناہ کیے بغیر شاذ و نادر ہی مذاق کیا ہے تو مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، لوگوں کے ساتھ خوش مزاج رہنے میں بھی بڑا فرق ہے، جیسے کہ مسکرانا، اور حد سے زیادہ مذاق کرنا۔ امام بخاری کی ادب المفرد نمبر 301 میں موجود ایک حدیث کے مطابق خوش مزاج ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، یہاں تک کہ دوسروں کو راحت کا احساس دلانے کے لیے مسکرانا بھی صدقہ ہے، جامع ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق، نمبر 1970۔ لہذا کسی کو یقین نہیں کرنا چاہیے کہ زیادہ مذاق کرنے سے گریز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ہمیشہ اداس اور افسردہ موڈ میں رہنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ بھی نصیحت کی کہ جو کوئی بڑا کام کرے گا وہ اس کے لیے مشہور ہو جائے گا۔

شاید یہ جھوٹے اور سچے کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ نصیحت بھی کی کہ جو زیادہ بولتا ہے وہ بہت سی غلطیاں کرتا ہے اور اس سے عزت میں نقصان ہوتا ہے۔ عزت میں کمی اللہ تعالیٰ کے خوف میں کمی کا باعث بنتی ہے جو کہ روحانی طور پر مردہ دل کی طرف لے جاتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ٹوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب

طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

سنیاسی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے پیشروؤں کی طرح ایک سادگی اور سادہ زندگی گزاری اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ عملی طور پر آخرت کی تیاری پر توجہ مرکوز کریں گے، جس کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے قائدانہ فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر، سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ اپنی پوری تنخواہ 5000 چاندی کے سکے صدقہ کرتے اور اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی چٹائیاں بنا کر دولت کماتے تھے۔ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو تجارت سے منع کیا تھا، کیونکہ ان کا قائدانہ کردار انہیں غیر منصفانہ فائدہ دے گا، یہ بات واضح ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو چھپاتے ہوئے اپنی چٹائیاں بیچ دیں۔ انہیں بنایا

یہ کہا جا رہا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی اپنے ملازمین کو ان کی خدمات کے بدلے اچھی اجرت حاصل کرنے کو یقینی بنایا، کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ لوگوں کی خدمت کرنے سے ان کی توجہ ہٹا دیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 56 اور صفحہ 63-65 میں بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے پریزگاری اختیار کی کیونکہ انہوں نے اس مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور فہم کو اختیار کیا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

عاجزی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے پیشروؤں کی طرح عاجزی اختیار کی اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ غرور سے بچیں گے جو انہیں معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے حقوق کو پورا کرنے سے روکے گا۔

مثال کے طور پر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شام کی مہم کے رہنما تھے جب ایک رومی سپاہی ان کے پاس مذاکرات کے لیے آیا۔ رومی سپاہی اسے اپنے آدمیوں سے الگ نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ سب ایک جیسے دکھائی دیتے تھے۔ رومی سپاہی نے بالآخر اسے زمین پر بیٹھا پایا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سادہ مزاج پر سوال کیا تو جواب دیا کہ اس کے پاس دنیا کی آسائشیں نہیں ہیں، درحقیقت اس کے پاس صرف ایک گھوڑا اور ہتھیار تھا۔ اس نے مزید کہا کہ اگر اس کے پاس بیٹھنے کے لیے تکیہ ہوتا تو وہ اسے کسی دوسرے مسلمان کو استعمال کرنے کے لیے دے دیتا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہے۔ اس کے بعد اس نے رومی سپاہی کو یاد دلایا کہ زمین پر چلنا (جانور پر سوار ہونے کی بجائے) (زمین پر بیٹھنا، زمین پر کھانا کھانے اور زمین پر لیٹنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا درجہ کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اجر میں اضافہ کرتا ہے اور ان کی عاجزی کی وجہ سے ان کے درجات میں اضافہ کرتا ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 56-57 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا تو اس کے درجات بلند ہوں گے۔ ایسا ہوتا ہے کیونکہ عاجزی اللہ کی بندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ عاجزی کا مخالف جو کہ فخر ہے صرف مالک یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز جو لوگوں کے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے پیدا اور عطا کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان غرور سے بچتا ہے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے عاجزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی ہے اور دونوں جہانوں میں حقیقی عظمت کی طرف لے جاتی ہے۔

تقویٰ کو اپنانا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے پیشروؤں کی طرح تقویٰ اختیار کیا اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ جن لوگوں کو اس نے مقرر کرنا چاہا ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے تقویٰ کی وجہ سے انکار کر دیا، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے تھے، جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، جنہوں نے شام میں حمص کی گورنری سے انکار کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 57-58 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ اس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ کوئی چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

تقویٰ کا ایک پہلو ان چیزوں سے بچنا ہے جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام کے قریب لے جاتی ہیں۔ اور حرام کے جتنا قریب ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے اور صرف حلال چیزوں کو استعمال کرتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

اگر معاشرے میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثلاً فضول اور فضول کلامی معنی، ایسی تقریر جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ گناہ، اکثر غیبت، جھوٹ اور غیبت جیسی بری بات کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص لغو باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بری بات سے بچتا ہے۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔ اس لیے ایک مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، جس کی ایک شاخ یہ ہے کہ باطل اور مشتبہ چیزوں سے اس خوف سے بچیں کہ وہ حرام کی طرف لے جائیں گے۔

حسد سے بچنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جن گورنروں کا تقرر اور برطرف کیا تھا، وہ کبھی بھی دوسروں سے حسد نہیں کرتے تھے، جیسا کہ وہ لوگ جنہوں نے ان کی جگہ قائدانہ کردار ادا کیا۔ اور نہ ہی وہ لوگ جنہوں نے قائدانہ کرداروں پر تقرر نہیں کیا تھا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے خلوص دل سے عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو قبول کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے معاملات میں اپنے قائد کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے صاحبان " ...امر

اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 58-59 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

مسلمانوں کے آداب

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، اسلامی سلطنت کے اندر رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آنے کو یقینی بنانے کے لیے بہت بڑے اقدامات کریں گے۔ اس نے اپنے تمام گورنروں کو تاکید کی کہ وہ ان کا خیال رکھیں جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہیں اور ان کو ان کے دشمنوں سے محفوظ رکھیں اور ان پر کبھی بوجھ نہ ڈالیں۔ جو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 72 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

فنڈز کا غلط استعمال

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ عوامی فنڈ کو صحیح طریقے سے خرچ کرنے کو یقینی بنایا۔ وہ اپنے گورنروں سے اسے صحیح طریقے سے خرچ کرنے کی تاکید کرے گا اور ان کا سختی سے جوابدہ ہوگا۔ وہ اس دولت کو مسلسل شہریوں میں تقسیم کرتا اور اپنے گورنروں کو یاد دلاتا کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا یا اس کے خاندان کا نہیں ہے، اس لیے انہیں اسے لوگوں میں صحیح طریقے سے تقسیم کرنا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 73 میں بحث کی گئی ہے۔

بدقسمتی سے، فنڈز کا غلط استعمال ایک وسیع مسئلہ بن گیا ہے، خاص طور پر اسلامی ممالک میں۔ جس کی وجہ سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ شرم کی بات ہے کہ نیک پیشروؤں کے زمانے سے حالات اتنے بدل گئے ہیں۔ ان دنوں جب وہ لیڈر بنے تو درحقیقت عوام کے خادم بن گئے اور عوام کا پیسہ اپنے ذاتی کاموں پر خرچ کرنے کے بجائے اپنا ذاتی پیسہ عوام پر خرچ کرتے۔ جبکہ آج کل قائدین اور شاہی خاندان عوام کی دولت خرچ کرنے کے بجائے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ قوم کے آقا ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح پیش روؤں کو اپنا رول ماڈل منتخب کریں اور ان کی خصوصیات کو اختیار کریں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کو ان تمام لوگوں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں جو ان کی دیکھ بھال میں ہیں جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اپنی ذاتی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور پھر اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ ان پر لازم ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی

اطاعت کریں، اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں اور تقدیر کا صبر
کے ساتھ سامنا کریں اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کریں۔

جنت کی زیارت کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو برطرف کر دیتے تھے اگر وہ اپنے دور حکومت میں بیماروں کی عیادت کرنے میں ناکام رہتے۔ یہ اہم تھا کیونکہ یہ عمل معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرتا ہے اور ایک رہنما کے اپنے زیر اقتدار لوگوں کی دیکھ بھال کی واضح علامت ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 76-77 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6551 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ جو مسلمان کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے وہ جنت کے باغ میں ہے یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں کسی بھی بیمار کی عیادت کرنا شامل ہے خواہ وہ کسی بھی عقیدے سے ہو۔ حالانکہ یہ بلاشبہ ایک عظیم عمل ہے، ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس نیک عمل کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے۔ اگر وہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں جیسے لوگوں کو دکھاوے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر حاصل نہیں کریں گے۔

اس کے علاوہ انہیں چاہیے کہ وہ بیماروں کی عیادت کے آداب اور شرائط کو پورا کریں تاکہ ان کا ثواب حاصل کیا جا سکے۔ انہیں وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے، جس سے بیمار شخص اور ان کے رشتہ داروں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ اس دن اور عمر میں بیمار اور ان کے اہل خانہ سے پہلے سے رابطہ کرنا آسان ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ مناسب وقت پر ان کی عیادت کریں کیونکہ ایک بیمار شخص دن بھر آرام کر رہا ہو گا۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال اور گفتار پر قابو رکھیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں جیسے کہ گپ شپ، غیبت اور دوسروں کی غیبت سے بچیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ بیماروں کو صبر کرنے کی ترغیب دیں اور اس سے وابستہ انعامات پر بحث کریں اور

عام طور پر دنیا اور آخرت کے حوالے سے فائدہ مند امور پر گفتگو کریں۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اسے وہ ثواب ملے گا جو احادیث نبوی میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں یا تو کوئی اجر نہیں ملے گا یا پھر ان کے برتاؤ کے لحاظ سے گناہوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس نیک عمل کو انجام دینے سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 114

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم "دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

مساوات کی اہمیت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوری اسلامی سلطنت میں پھیلے ہوئے مساوات کے اہم اسلامی اصول کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔ وہ اپنے کسی بھی گورنر اور لیڈر پر سخت تنقید کرے گا اگر اس نے سنا کہ وہ لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کرتے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 77 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ”
ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

ثابت قدم رویہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی دربان یا محافظ نہیں ہوتا جو لوگوں کو ان سے ملنے سے روکتا اور آپ نے اپنے گورنروں کو بھی محافظوں اور دربانوں سے منع فرمایا۔ درحقیقت، اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے دروازے عوام کے لیے مسلسل کھلے رکھیں اور ان کے مسائل کو چوبیس گھنٹے نمٹائیں، جیسا کہ اس نے کیا تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 79 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنے فرض کے لیے اس ثابت قدمی کو تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

”...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو“

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ” ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

دوسروں کی نگرانی کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قابل اعتماد، قابل اعتماد اور قابل لوگوں کو قیادت کے عہدوں پر مقرر کرتے تھے۔ لیکن وہ انہیں آزاد حکومت نہیں دے گا۔ وہ دوسرے ملازمین کے ذریعے مسلسل ان کا مشاہدہ کرتا۔

وہ باقاعدگی سے مختلف علاقوں سے بے ترتیب شہریوں کو ان کے گورنر اور لوگوں کے معاملات کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے لیے بھیجتا تھا۔

اس نے میل کیریئرز کو ملازم رکھا جو کسی بھی شہری کا کوئی بھی خط سیدھے سیدھے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاتے تھے، بغیر کسی مداخلت کے یا خط کے مندرجات کو پڑھتے تھے۔ اس سے یہ یقینی ہو گیا کہ کوئی بھی گورنر کے خلاف براہ راست عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کر سکتا ہے، اس خوف کے بغیر کہ گورنر مداخلت کرے گا اور شکایت کو اس تک پہنچنے سے روک دے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ ایک سینئر انسپکٹر محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، جس کا فرض گورنروں کی نگرانی کرنا اور مقامی لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنا تھا تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ گورنر اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں۔ اس کے بدلے میں، اس کے پاس اس بات کو یقینی بنانے کے لیے بہت سی امدادیں تھیں کہ اس کا فرض اعلیٰ ترین معیار پر پورا ہو۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کی ذاتی نگرانی کے لیے سال بھر کے سفر میں ہر علاقے کا سفر کرنے کا ارادہ بھی کیا، لیکن ایسا کرنے کا موقع ملنے سے پہلے ہی وہ شہید ہو گئے۔

عمر رضی اللہ عنہ حج کے موسم سے استفادہ کرتے تھے، جہاں تمام اسلامی سلطنت سے لوگ حج کے لیے مکہ آتے تھے۔ وہ اسے انجام دے گا اور لوگوں کو ان کے گورنروں کے ساتھ کسی بھی مسئلے پر بات کرنے کی ترغیب دینے میں وقت گزارے گا۔ وہ حج کے سیزن میں اپنے ملازمین کے ساتھ باقاعدگی سے ملاقاتیں کرتے جو ان میں بھی شریک ہوتے، ان سے ان کے فرائض اور ان کے زیر نگرانی لوگوں کے معاملات کے بارے میں سوالات کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کے اچانک دورے کرتے اور ان کے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کرتے بغیر انہیں احساس ہوتا کہ وہ خلیفہ کو دعوت دے رہے ہیں۔ وہ ان کے مال و اسباب کا حساب لے گا تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ دنیاوی چیزوں کو جمع کرنے کے لیے اپنے اختیار کا غلط استعمال نہیں کر رہے ہیں۔

وہ باقاعدگی سے اپنے گورنروں کو بونس بھیج کر، سرکاری خزانے سے کچھ دولت، اور لوگوں کو ملازم رکھ کر یہ مشاہدہ کرنے کے لیے کہ وہ اس دولت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 80-85 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے طرز عمل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے زیر کفالت لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کو بہت سنجیدگی سے لیا۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

انصاف کا نفاذ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کے بارے میں اس قدر سخت تھے کہ سلطنت اسلامیہ کے تمام لوگوں کے سامنے یہ اعلان کرتے رہتے تھے کہ اگر ان کے گورنروں میں سے کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ اس کا معاملہ اس کے پاس لے کر آئیں اور وہ اس بات کو تسلیم کرتے۔ ذاتی طور پر تنازعہ کو حل کریں۔

اس نے بہت سے لوگوں کو صرف ان لوگوں کی تلاش کے لیے رکھا جن پر ان کے گورنروں نے ظلم کیا تھا تاکہ وہ چیزوں کو درست کر سکے۔

یاترا کے موسم میں وہ لوگوں کو اپنی شکایات ان کے سامنے پیش کرنے کی دعوت دیتے۔ ایک موقع پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر شکایت کی کہ اس کے گورنر نے اسے غلط سزا دی ہے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنر کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے تو انہوں نے اس شخص سے کہا کہ وہ اپنے گورنر کے خلاف کھڑا ہو جائے اور بدلہ لے۔ ایک اور گورنر عمرو ابن العاص نے عمر رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی کہ وہ ایسا نہ کریں کیونکہ یہ معاشرے میں عام ہو جائے گا اور گورنر لوگوں پر اپنا اثر و رسوخ کھو دیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سرزنش کی اور انہیں یاد دلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری کے دوران لوگوں کو اپنے خلاف بدلہ لینے کی پیشکش بھی کی تھی، اگر وہ محسوس کریں کہ آپ نے ان پر ظلم کیا ہے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے پھر اس شخص سے سودا کرنے کا مشورہ دیا جس پر ظلم ہوا اور وہ 200 سونے کے سکوں پر راضی ہو گیا اور اپنا انتقام لینے کا حق ترک کر دیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 83 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

سختی کے ساتھ محبت

اگرچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ملازمین کے ساتھ بہت سخت تھے، پھر بھی ان سب میں ایک دوسرے کے لیے احترام اور محبت کا گہرا جذبہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں متحد تھے۔ اس لیے جب بھی عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں پر تنقید کرتے تو وہ اسے قبول کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی ہے۔ جب کسی کا دوسرے سے تعلق اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی ہو تو ان کے درمیان اختلاف کبھی بھی دشمنی اور بغض کا باعث نہیں بنتا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 103 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہو جاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش

رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے آخری الفاظ میں یہ شامل تھا ”میں نے فلاں فلاں لڑائیاں دیکھی ہیں اور میرے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں ہاتھ کی چوڑائی نہ لگی ہو جس پر تلوار کا وار نہ ہوا ہو یا تیر یا نیزہ نہ چھید گیا ہو، پھر بھی میں حاضر ہوں۔ میرے بستر پر اس طرح مرنا جیسے اونٹ مرتا ہے۔ بزدل کبھی کامیاب نہ ہوں۔ میں نے موت (شہادت) (ان جگہوں پر مانگی جہاں اس کی تلاش کی جا سکتی تھی، لیکن یہ حکم تھا کہ میں اپنے بستر پر مروں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 115-116 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کی لامحدود اور مطلق قدرت و اختیار کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کرنا نہیں چاہا۔ اسی طرح ساری مخلوق مل کر بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ تعالیٰ ان کو نہ چاہے۔ اس کا مطلب صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کائنات میں ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ یہ نصیحت اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے کہ کسی کو دوا جیسے اسباب کا استعمال ترک کر دینا چاہیے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اسباب کو استعمال کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہے، لیکن اسے سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نتائج کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ بہت سے بیمار لوگ ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور اپنی بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ لیکن وہ دوسرے ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور ٹھیک نہیں ہوتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اور عنصر حتمی نتیجہ کا فیصلہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ باب 9: توبہ آیت 51

کہہ دو کہ ہم پر ہرگز نہیں مارے جائیں گے مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے۔“

جو اس بات کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے بچا نہیں جا سکتا تھا۔ اور وہ چیزیں جو ان سے چھوٹ گئیں وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ نتیجہ جو بھی نکلے خواہ وہ کسی شخص کی خواہش کے خلاف کیوں نہ ہو انہیں صبر کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین انتخاب کیا ہے خواہ وہ نتائج کے پیچھے حکمت کو نہ بھی دیکھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جب کوئی اس سچائی کو صحیح معنوں میں سمجھ لیتا ہے تو وہ مخلوق پر انحصار کرنا چھوڑ دیتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں فطری طور پر نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اس کی حمایت اور حفاظت چاہتے ہیں۔ یہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر مخلوق انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس بات کو تسلیم کرنا کہ انسان کی زندگی اور کائنات کے اندر موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور صرف اس سطحی یقین سے آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب یہ بات کسی کے دل میں جم جاتی ہے تو وہ صرف اللہ سے امید رکھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہی ان کی مدد کرنے والا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ حقیقت میں، ایک شخص صرف نقصان سے تحفظ یا

کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی یہ عطا کر سکتا ہے اس لیے صرف وہی اس کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کسی دوسرے کی اطاعت کو پسند کرتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ دوسرا انہیں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان سے بچا سکتا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ تمام چیزوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، لہذا مسلمانوں کو صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 2

اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو کچھ بھی رحمت عطا فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جس چیز کو "وہ روکے، اس کے بعد اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔"

یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت۔ باب النساء آیت 80 4

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

غم کے اوقات

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور لوگوں نے آپ کے لیے بہت ماتم کیا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ لوگوں کو اس کے لیے رونے کی اجازت دی جانی چاہیے، جب تک کہ وہ بڑبڑاتے ہوئے (گناہ بھری تقریر میں مشغول نہ ہوں۔ انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کی کہ خالد رضی اللہ عنہ کے لیے رونے والوں کو رونا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 116-117 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا۔ صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

فارسیوں کے خلاف مہم

دوسروں کی رہنمائی کرنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فارسیوں کے خلاف مہم زوروں پر تھی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہم جاری رکھی اور لوگوں سے رضاکارانہ طور پر اس مہم میں شامل ہونے کی تاکید کی۔ ابو عبید ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جواب دیا اور اس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں نے ان کی پیروی کی اور اس مہم کے لیے سائن اپ ہوئے۔ جیسا کہ اس کے ردعمل نے دوسروں کو جواب دینے پر مجبور کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لشکر کا سربراہ مقرر کیا، حالانکہ وہ صحابی نہیں تھے، اللہ ان سے راضی تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 119-120 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ

اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

ایک جنرل کو مشورہ

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فارس کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لیے ایک لشکر عراق روانہ کیا تو انہوں نے اپنے جرنیل ابو عبید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو درج ذیل مشورہ دیا۔ اسے امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 120-121 میں درج کیا گیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنیں اور ان پر دھیان دیں، جو آپ کے ساتھ جا رہے تھے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43

”پس اہل پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔“

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی نصیحت کی کہ فیصلوں میں جلدی نہ کریں کیونکہ جنگ اس وقت تک صحیح طریقے سے نہیں لڑی جا سکتی جب تک کہ کوئی فیصلہ کرنے میں وقت نہ لے اور عمل کرنے کا صحیح وقت نہ جانتا ہو۔

عام طور پر، یہ مشورہ چیزوں کے ذریعے سوچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگرچہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غور و فکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خبردار کیا کہ وہ خیانت، خیانت اور ظلم سے بھری ہوئی سرزمین پر جا رہے ہیں۔ جہاں اکثر لوگ برائی کرنے میں دلیر تھے اور نیکی کو بھول چکے تھے۔

یہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں یعنی شیطان، اپنے باطنی شیطان اور ان لوگوں کے خلاف ثابت قدم رہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں

پہنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69

”اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔“

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا چانسز

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارتداد سے توبہ کرنے والوں کو مسلمانوں کی مہمات میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ وہ دوبارہ ارتداد میں آ جائیں گے۔ یہ ان مسلمان سپاہیوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوتا جو بیرونی سرزمین میں سپر طاقتوں کے ساتھ مشغول تھے۔ لیکن کافی وقت گزرنے کے بعد جب ارتداد سے توبہ کرنے والے اسلام پر قائم رہے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں مسلمانوں کی مہمات میں شامل ہونے کی اس پر امام محمد السلابی، اجازت دے دی لیکن آپ نے انہیں قیادت کے عہدوں پر تعینات نہیں کیا۔ عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 121 اور 157-158 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، تمام مسلمان امید کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہیے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ

اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر... "دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دنیا کے غلام

عراق کی مہم کے دوران، فارس کی فوج نے مسلمانوں کے فتح کیے ہوئے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے رہنماؤں کو بغاوت کی ترغیب دی، حالانکہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ امن کے معاہدے کیے تھے۔ انہوں نے ان کو دنیاوی چیزوں جیسے کہ دولت اور طاقت کے خالی وعدے دیے اور اس طرح انہیں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس کی وجہ سے عن نمریق کی لڑائی ہوئی۔ ایک ایسی جنگ جو بالآخر مسلمانوں نے جیت لی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 122-123 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے ”اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے بحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں

اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

وعدوں کو پورا کرنا

فارسیوں کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد ان کا ایک لیڈر مسلم فوج کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ جس سپاہی نے اسے پکڑا وہ اس سے واقف نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور اسے تلوان کے لیے چھوڑنے کے لیے فریب کیا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ فرار ہوتا فارس کے سردار کو پکڑ لیا گیا اور مسلم فوج کے سربراہ ابو عبید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ لیکن جیسا کہ مسلمان سپاہی نے فارسی رہنما ابو عبید رحمہ اللہ کو رہا کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس نے اپنے وعدے کو توڑنا نہیں چاہا اور اس لیے فارسی رہنما کو آزاد کر دیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 123 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب نے اپنے جرنیل سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق روانہ کرتے وقت یہی حکم دیا۔ مطلب، اس نے اس سے کہا کہ دشمن کے کسی بھی سپاہی کو تحفظ فراہم کرو جسے ایک مسلمان سپاہی نے تحفظ دیا ہو، چاہے وہ غلطی سے ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ وعدے پورے کرنا فتح حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جب کہ وعدہ خلافی شکست کا باعث بنتی ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 162 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر

وعدہ کرے اور پر میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام 2227
پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ
قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

ایک طاقتور مشورہ

عمر بن خطاب نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق کی مہم کا سپہ سالار مقرر کیا۔ امام محمد السلابی، مدینہ سے روانہ کرنے سے پہلے اس نے اسے مندرجہ ذیل نصیحتیں کیں جو میں درج ہیں۔ عمر ابن الخطاب، بز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 2، صفحہ 146-148

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے سوائے اس کی سچی اطاعت کے۔ لوگ خواہ شریف ہوں یا ذلیل، سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر تھے۔ اور لوگ صرف وہی حاصل کریں گے جو اس کے پاس ہے اطاعت کے ذریعہ۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو

دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پرہیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر سختی سے عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہ صحیح طریقہ ہے۔ اور اسے تنبیہ کی کہ اگر اس نے اس کی نصیحت کو نظر انداز کیا تو وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

”اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔“

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان

نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ عراق کی مہم ایک مشکل تھی اور اس سے انہیں حق پر قائم رہنے کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ اپنے آپ کو نیکی کی عادت ڈالیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46: الاحقاف، آیت 13

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی ”خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف دو چیزوں کا مجموعہ ہے: اس کی اطاعت اور نافرمانی سے بچنا۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔
:السلام علیکم باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔ پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلاشبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف دو چیزوں کا مجموعہ ہے: اس کی اطاعت اور نافرمانی سے بچنا۔ جو لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ مادی دنیا کو ناپسند کرتے ہوئے اور آخرت سے محبت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں وہ دنیا کی محبت اور آخرت کو ناپسند کرتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ جو اس پر تنقید کرے اور حق کی بنیاد پر اس کی تعریف کرے وہی اس کے ساتھ ہو۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کابل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف

کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے محبت کرتا ہے تو دوسروں کو بھی اس سے پیار کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی سے نفرت کرتا ہے تو دوسروں کو بھی اس سے نفرت کرتا ہے۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حیثیت کو ان لوگوں سے جانچنا چاہیے جو اس کے ساتھ ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جس میں درج ذیل صفات ہوں۔ پہلی صفت تقویٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے، اور وہ اپنے فرائض کو پورا کرتے ہیں۔ لوگوں کے بارے میں فرائض، جیسے کہ اس دنیا میں ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت مخلوقات سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے گئے اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ

نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے چیزیں طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کم کر دیتی ہے۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ان کا رزق ان کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنی کوششوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ عطا فرمائے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری خصوصیت گمنام ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان کو شہرت حاصل کرنے کے لیے دنیاوی یا دینی معاملات میں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بن سکتا ہے، جیسے دکھاوا، اور یہ صرف ایک کے اجر کو ختم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ شہرت حاصل کرنا دین کے لیے دو بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ مشہور ہو جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو برقرار رکھے، اس کی اطاعت میں کوئی تبدیلی کیے بغیر لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔

ایک خوبصورت خطبہ - 5

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ سعد ابن ابی وقاص کو عراق روانہ کرنے کے بعد، عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مندرجہ ذیل خطبہ دیا، جس کا ذکر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 149 میں کیا گیا ہے۔ -150۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ جو کوئی چیز جانتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔

ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا (اپنے علم پر عمل نہیں کیا) (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے)۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ موت کو یاد کر کے سبق سیکھیں، مرنے والوں کے بارے میں سوچیں اور نیک اعمال کو آگے بھیج کر موت کی تیاری کریں۔

موت ایک ایسی چیز ہے جس کا آنا یقینی ہے لیکن وقت نامعلوم ہے اس لیے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دیتا ہے جو شاید نہ ہو، جیسے شادی، بچے یا ان کی ریٹائرمنٹ۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ دنیا عارضی اور غیر یقینی ہے جبکہ آخرت دائمی ہے اور ان کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کس طرح کا برتاؤ کرے ان کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ وہ مستقبل میں آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں اور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ رویہ انہیں صرف اس وقت تک مزید تاخیر کا باعث بنتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہو جائے اور وہ اس ندامت کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں جو ان کی مدد نہیں کرے گی۔

اس لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ لوگ مر جائیں گے کیونکہ یہ ناگزیر ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کام کیا جائے کہ انسان اس کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اس کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص آخرت کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دے جو شاید نہ ہو سکیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ اگر کوئی شخص بنیادی ضروریات سے مطمئن نہیں ہے تو کوئی چیز اسے ذرائع سے آزاد محسوس نہیں کرے گی۔

جامع ترمذی نمبر 2305 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سب سے زیادہ مالدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں پر راضی ہو۔ جو

ہر وقت زیادہ دنیاوی چیزوں کا محتاج رہتا ہے وہ محتاج ہے، جو کہ غریب کے لیے ایک اور لفظ ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ لیکن جو اپنے مال پر راضی ہے وہ محتاج نہیں ہے اور اس لیے مالدار ہے خواہ اس کے پاس مال کم ہو یا دنیاوی چیزیں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے اس پر راضی ہونے والے کو وہ فضل عطا کیا جائے گا جس سے ان کے مال سے ان کی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری ہوں گی اور اس سے انہیں ذہنی اور جسمانی سکون ملے گا۔ جبکہ جو لوگ راضی نہیں ہوں گے ان کو یہ فضل حاصل نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وہ محسوس کریں گے کہ گویا ان کا مال ان کی ضروریات اور ان کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ انہیں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔

اطمینان میں اس پر راضی ہونا شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے منتخب کیا ہے یعنی تقدیر۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، وہ ہمیشہ اپنے بندے کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ اس انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ دیکھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اگر کوئی مسلمان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اکتفا کرتا ہے، جیسے کہ مشکل کے وقت صبر اور آسانی کے وقت شکر ادا کرنا، تو اسے ذہنی سکون ملے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ کوئی شخص ان کے پاس کوئی شکایت لے کر آئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو وہ شکایت کسی ایسے شخص تک پہنچائیں جو اسے پہنچا سکے اور وہ ان کے حقوق بحال کر دے گا۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور ”رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔¹ پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

دوسروں کے بارے میں سوچنا

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے عراق پہنچنے سے پہلے عظیم جرنیل المثنیٰ ابن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی سابقہ لڑائیوں میں شدید زخموں کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ بستر مرگ پر بھی اس کی فکر مسلمان سپاہیوں کی حفاظت کے لیے تھی کیونکہ اس نے سعد رضی اللہ عنہ کے لیے کچھ حکمت عملی کے مشورے چھوڑے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 150-151 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

ایک حکیمانہ مشورہ

عمر بن خطاب نے آخر کار سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عراق کی طرف روانہ ہو جائیں جہاں سے وہ اسلامی سلطنت کی سرحد پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اس نے اسے مندرجہ ذیل نصیحتیں بھی بھیجیں، جو امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 2، صفحہ 152-155 میں درج ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اور ان کے ساتھ موجود سپاہیوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کی کیونکہ یہ دشمن کے خلاف بہترین ہتھیار اور جنگ میں سب سے مضبوط ہتھیار ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اس کی صحبت پاتا ہے۔ جس کے پاس اس کی صحبت ہے وہ دنیا یا آخرت میں ہار نہیں سکتا۔ باب 16 النحل، آیت 128:

"...بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے"

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔ السلام علیکم باب: فاطر، آیت 28 35

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔ پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلاشبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اور ان کے ساتھ موجود سپاہیوں کو بھی نصیحت کی کہ دشمن سے بچنے کی نسبت گناہوں سے بچنے میں زیادہ احتیاط کی جائے کیونکہ فوج کے گناہوں کا ان کے دشمن سے زیادہ خوف ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو ان کے دشمن کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے مدد ملتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کی طاقت نہ ہوتی، کیونکہ مسلمانوں کی تعداد ان کے جیسی نہیں اور مسلمانوں کے ہتھیار ان کے جیسے نہیں ہیں۔ اگر دونوں فریق گناہ میں یکساں ہو جائیں تو انہیں طاقت میں مسلمانوں پر برتری حاصل ہو گی۔ اگر مسلمانوں کو ان پر فضیلت سے برتری حاصل نہ ہوتی تو مسلمان اپنی طاقت سے انہیں شکست نہ دے سکتے تھے۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک شخص پر محافظ ہیں جو جانتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں (ریکارڈنگ فرشتے) لہذا ہر شخص کو ان کے سامنے شرمندہ ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں سے باز رہنا چاہیے۔ اسے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ دشمن مسلمانوں سے بدتر ہے اس لیے مسلمانوں پر کبھی غالب

نہیں آئے گا، خواہ وہ گناہ ہی کیوں نہ کریں۔ کسی قوم کو ان سے بدتر دوسروں کے ہاتھوں شکست ہو سکتی ہے، جس طرح بنی اسرائیل کو مشرکوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی جب انہوں نے ایسے کام کیے تھے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا تھا۔ باب 17 الاسراء، آیت 5

”اور انہوں نے گھروں میں چھان بین کی، اور یہ ایک وعدہ پورا ہوا۔“

معمولی اور بڑے کے طور پر وقت کے ساتھ ساتھ کی درجہ بندی کی گئی ہے s ins، عام طور پر یہ ہے اس بارے میں دیا گیا ہے کہ اصل میں بڑا گناہ کیا ہے۔ ایک سادہ درجہ بندی بہت سی تعریفیں سزا کا اسلام نے اسلامی حکومت کو حکم دیا ہے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا جس کی گناہ کوئی بھی کہ ایک اور درجہ بندی یہ ہے کہ اگر کسی گناہ کا ذکر جہنم کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، یا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، تو وہ کبیرہ گناہ ہے۔ مثال کے طور پر غیبت گناہ کبیرہ ہے کیونکہ قرآن پاک میں اس پر لعنت کی گئی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1

”ہائے ہر غیبت کرنے والے، بہتان لگانے والے کے لیے۔“

صحیح بخاری کی بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ صرف سات بڑے گناہ ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث نمبر 2766 میں ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سات کبیرہ گناہ ہیں اس کا مطلب یہ نہیں دوسرے کبیرہ گناہوں کا ذکر میں کہ صرف سات ہی ہیں۔ درحقیقت اور بھی احادیث موجود ہیں جن - یہ حدیث صحیح بخاری کے نمبر 6273 میں موجود ہے۔ اس سے کی نافرمانی ہے جیسے والدین پہلے حدیث میں جن سات کبیرہ گناہوں کا اعلان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: شرک، جادو، کسی بے گناہ کو یتیموں کا مال ہڑپ کرنا، میدان جنگ سے بھاگنا اور بے گناہ، مالی سود کا سودا کرنا، قتل کرنا عورت پر الزام لگانا۔ زنا کی

جب کوئی چھوٹے گناہوں پر قائم رہتا ہے تو وہ اسلام کی نظر میں بڑے ہو کہ یہ جاننا ضروری ہے جاتے ہیں۔

کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور گناہ صغیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے معاف ہوتے ہیں جبکہ صغیرہ اعمال صالحہ سے مٹ سکتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 31

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے "گناہوں کو دور کر دیں گے۔"

سچی توبہ میں ندامت، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہو، دوبارہ ایسا یا اس سے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور کی تلافی کرنا شامل ہے۔ اعلیٰ، اور لوگ۔

وہ ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں خواہ وہ کسی بھی سائز کے ہوں مسلمان یقینی بنائیں کیوں کہ شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوٹے گناہوں کو نظر انداز کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ پہاڑ چھوٹے پتھروں سے بنتے ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی نصیحت کی کہ مسلمان سپاہیوں کے ساتھ سفر کے دوران نرمی سے پیش آئیں اور وہ تھک نہ جائیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے دشمن تک اپنے سفر سے کمزور پڑ جائیں کیونکہ ان کا دشمن سفر نہیں کر رہا ہے اور اس کے پاس مضبوط گھوڑے ہیں۔ اور سوار

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ بھی نصیحت کی کہ کسی بستی والوں کو تنگ نہ کریں کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاہدوں کے ذریعے ان کی حفاظت کی گئی تھی۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

روحانی مشورہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عراق کے سفر کے دوران سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور انہیں مندرجہ ذیل نصیحتیں کیں، جو امام محمد السلبی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور کتابوں میں درج ہیں۔ اوقات، جلد 2، صفحہ 160۔

رضی اللہ عنہ نے انہیں یاد دلایا کہ وہ اپنے روحانی قلب پر توجہ دیں۔ عمر

صحیح بخاری نمبر 52 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کسی کا روحانی دل درست ہو تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا روحانی دل فاسد ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کرپٹ

سب سے پہلے تو یہ حدیث اس احمقانہ عقیدے کی تردید کرتی ہے جہاں کوئی شخص اپنے قول و فعل کے خراب ہونے کے باوجود پاکیزہ دل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اندر ہے وہ آخرکار باہر سے ظاہر ہوگا۔

روحانی قلب کی تطہیر اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے اندر سے برائیوں کو ختم کر دے اور ان کی جگہ اسلامی تعلیمات میں مذکور اچھی خصوصیات کو لے آئے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرے۔ اسے اس طرح کا برتاؤ ایک پاک روحانی دل

کی طرف لے جائے گا۔ یہ طہارت پھر جسم کے ظاہری اعضاء جیسے کہ کسی کی زبان اور آنکھ میں جھلکتی ہے۔ یعنی وہ اپنے اعضاء کو صرف ان طریقوں سے استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 کی ایک حدیث کے مطابق یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اپنے نیک بندے سے محبت کی علامت ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ تزکیہ تمام دنیاوی مشکلات میں کامیابی کے ساتھ رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دنیوی اور دینی دونوں طرح کی کامیابی حاصل کر سکے۔

رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے سپاہیوں کو نصیحت کرنے اور نیک نیتی اور خود کو جانچنے کی عمر اہمیت کے بارے میں یاد دلایا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد نیک نیتی کے مطابق آتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے ، انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخر کار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امید نہ رکھنا۔ عمر

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا بہت زیادہ امکان نہیں ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو

تیار کرتا ہے، بیچ لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ جو شخص سچی امید رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانه سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانه سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں بچا لے گا۔ نرک سے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود ہے، کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمان جس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوگا۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہذا خواہش مندانه سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک

نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والے کی طرح اس کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے برگز قبول نہیں کیا جائے " "گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

ایمان کی دعوت

عمر بن خطاب نے عراق کی مہم کے دوران اپنے جرنیل سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ فارس کے پاس عقلمند مسلمانوں کا ایک وفد بھیجے تاکہ اسے اسلام کی دعوت دیں۔ اگرچہ بادشاہ ان کے ساتھ بدتمیز اور سخت مزاج تھا لیکن وہ اپنی گفتگو میں حسن اخلاق اور نرمی کو برقرار رکھتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 163-167 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام - قرآن کریم نے نمبر 3689 میں موجود ہے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل " "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔

آپ سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ یہ خوبی انہوں نے اپنایا اس طرح اور مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اکرم صلی اللہ حضور یہ کیوں ہے - باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی اور سنن متنبہ کیا گیا ہے - اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وسلم علیہ وآلہ ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 103

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم ” اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔“

تباہ کن ذہن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم کے بجائے ان کے یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔ کے ساتھ نرم مزاجی کا مظاہرہ اپنے بچوں بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے۔ جن والدین نے ایک سخت مزاج۔ اکثر کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔ کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ روایات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ مثال کے طور پر ایک حضور مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔ کی مسجد میں پیشاب کیا مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اکرم صلی اللہ حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔، اللہ ان سب سے راضی ہو مئی، جب صحابہ کرام مسجد میں رہنے کے آداب کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وسلم علیہ وآلہ اس نرم میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ نمبر 529۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ نرمی سے سمجھایا رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ فرعون یہ اہم خصوصیت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت حضرت پھر بھی اللہ تعالیٰ نے نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ نرم اور مہربان تقریر کا استعمال فرعون کو دعوت نہ دیں۔، دونوں۔ ہارون علیہ السلام کو حکم دیا: **حیث 79 نضیات، آیت 24 کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج**

”اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔“

اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ بے شک اس نے زیادتی کی۔ اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید " وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے۔"

اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام اور بھلائی کی طرف بچے ؟ دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، فرمایا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لامحدود تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک بار ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آنا ،اعلیٰ وقار کے مطابق یہ غلط عقیدہ اختیار کیا اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ وہ انسانوں - ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

باختیار بنانا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا ایک لشکر عراق کی طرف روانہ کیا اور ساریہ رضی اللہ عنہ کو ان کا انچارج مقرر کیا۔ یہ لشکر عراق میں جنگ میں مصروف تھا، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں خطبہ دے رہے تھے۔ اپنے وعظ کے دوران اس نے یہ الفاظ بلند کیے، ”اے ساریہ، پہاڑ کی طرف چلی جاؤ“! تین بار کافی دیر گزرنے کے بعد ساریہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ایک قاصد آیا اور اس نے مدینہ والوں کو بتایا کہ جنگ میں وہ شکست کھا رہے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی۔ انہیں پہاڑ کی طرف جانے کو کہا۔ جب انہوں نے اس کی امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 127-128 میں ہدایات پر عمل کیا تو وہ دشمن پر غالب آ گئے۔ اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ حقیقت کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کئی میل کے فاصلے سے جو کچھ ہو رہا تھا اسے دیکھا اور ان کی آواز لشکر تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ تھا۔ یہ باختیاریت صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل پیرا ہو۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آسمانی حدیث میں، اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص فرائض کی ادائیگی اور نفلی اعمال کی انجام دہی میں کوشش کرتا ہے تو وہ اس کی پانچوں حواس کو برکت دیتا ہے۔ تاکہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں استعمال کریں۔ یہ نیک بندہ بہت کم گناہ کرے گا۔ ہدایت میں اس اضافے کی طرف باب 29: العنکبوت، آیت 69 میں اشارہ کیا گیا ہے

”اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔“

یہ مسلمان فضیلت کے اس درجے کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ جو اس درجے تک پہنچ جائے گا وہ اپنے دماغ اور جسم کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ وہ ہے جو جب بولتے ہیں تو اللہ کے لیے بولتے ہیں، جب خاموش ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو اس کے لیے کام کرتے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو اس کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک پہلو ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اس مسلمان کی دعا پوری ہو گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح سبق ہے جو حلال دنیاوی چیزوں کے خواہش مند ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے سوا کسی ذریعہ سے ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی روحانی استاد یا کوئی اور شخص کسی شخص کو اس وقت تک چیزیں نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرے اور ان چیزوں کو حاصل کرنا ان کا مقدر ہو۔

اس حدیث کو ختم کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اس کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

قادیسیہ کی جنگ

باقی فرم

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فارسیوں کے خلاف اہم جنگ: القادیسیہ کی جنگ میں فتح عطا کی۔ مسلمانوں کی تعداد چار سے ایک تھی اور ان کے پاس وسائل کم تھے پھر بھی سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس پر امام محمد السلابی، عنہ کی قیادت میں وہ فتح حاصل کرنے تک دشمن کے خلاف لڑتے رہے۔ عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 200 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

”...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو“

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی) گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ” ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

واقعی امیر

امام محمد جنگ القدسیہ میں فتح کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل خطبہ دیا، جو السلابی، عمر ابن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 2، صفحہ 203 میں درج ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ وہ ان کی کسی بھی ضرورت کو پورا کیے بغیر نہ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ سب برابر ہوں اور ہر ایک کے پاس زندہ رہنے کے لیے کافی ہو۔ انہوں نے انہیں یاد دلایا کہ وہ لوگوں کو غلام بنانے والا بادشاہ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا غلام ہے جسے امانت دی گئی ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ اگر وہ عوامی دولت سے دور رہے اور اسے عوام پر خرچ کرے تو اس میں برکت ہوگی۔ لیکن اگر اس نے مال اپنے لیے رکھا تو اس کے لیے قلیل مدتی خوشی ہوگی جس کے بعد ایک طویل عذاب آئے گا۔

عام طور پر، یہ دنیاوی چیزوں کو دوسروں کے ساتھ بانٹنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جو امیر ہیں وہ آخرت میں غریب ہی رہیں گے جب تک کہ وہ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہ کریں لیکن یہ لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت مندوں کی اکثریت غلط طریقے سے اپنا مال ان چیزوں پر خرچ کرتے ہیں جو یا تو فضول ہیں اور اس وجہ سے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یا وہ ایسے گناہوں پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ بن جائیں یا وہ خرچ کرتے ہیں۔ حلال چیزوں

پر اس طرح سے جس کو اسلام ناپسند کرتا ہے جیسے فضول خرچی یا اسراف۔ ان وجوہات کی بنا پر قیامت کے دن امیر غریب ہو جائیں گے کیونکہ ان کا حساب ہوگا اور ان پر سزا بھی دی جائے گی۔

اس کے علاوہ جو لوگ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہیں کر پاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کا مال انہیں ان کی قبر پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ آخرت کو خالی ہاتھ مفلس کی طرح پہنچ جائیں گے۔ جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ میت دوسروں کے لیے مال چھوڑے گا جب تک کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں۔

آخر کار، جیسا کہ دولت مند اپنی دولت کمانے، ذخیرہ اندوزی کرنے، محفوظ کرنے اور بڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں، یہ انہیں اعمال صالحہ سے غافل کر دیتے ہیں جو کہ قیامت کے دن کسی کو امیر بنا دے گی۔ درحقیقت، اس سے محروم ہونے سے وہ غریب ہو جائیں گے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ دولت کو صحیح طریقے سے خرچ کرنا نہ صرف صدقہ کرنا ہے بلکہ اس میں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر ان کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

حقیقی امیر وہ ہے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے۔ یہ شخص دنیا اور آخرت میں امیر ہوگا۔ اور یہ رویہ زیادہ دولت رکھنے پر منحصر نہیں ہے۔ دولت کا جتنی بھی مقدار صحیح طریقے سے استعمال کی جائے وہ امیر بننے کا سبب بنے گی چاہے اس کے پاس بہت کم دولت ہو۔ درحقیقت یہ شخص اپنی دولت اپنے ساتھ آخرت تک لے جاتا ہے اور یہ رویہ انہیں فارغ وقت فراہم کرتا ہے جس سے وہ نیک اعمال انجام دیتا ہے جس سے آخرت میں ان کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حق کی پیروی کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو یاد دلایا کہ جو کوئی اپنی خواہشات پر عمل کرے گا وہ نقصان اٹھائے گا اور صرف اپنے آپ کو نقصان اٹھائے گا۔ لیکن جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی اور شریعت پر عمل کیا اور سیدھے راستے پر گامزن کیا، اس کی تلاش میں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس نے اچھا کیا اور غالب رہے گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 203-204 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ مشورہ کسی کو ہدایت کے دو ذرائع کی مضبوطی سے اطاعت اور پیروی کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

”اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔“

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

کوئی مراعات نہیں۔

عمر بن خطاب نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جو امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 2، صفحہ 205 میں درج ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حالات میں رخصت کی اجازت دی ہے سوائے دو چیزوں کے: عدل اور اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کوئی رعایت نہیں ہے اور وہ اس کی کثرت کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔

صحیح بخاری نمبر 6407 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان فرق زندہ آدمی جیسا ہے۔ ایک مردہ شخص۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مضبوط تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات پر کامیابی سے کامیابی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں۔ سادہ الفاظ میں، وہ جتنا زیادہ اسے یاد کریں گے، اتنا ہی وہ اس اہم مقصد کو حاصل کریں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تین درجوں پر عملاً عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ اللہ تعالیٰ کو اندرونی اور خاموشی سے یاد کرنا ہے۔ اس میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ

کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ عملاً اسے اعضاء کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ یہ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جو کہ دونوں جہانوں میں تمام بھلائیوں اور کامیابیوں کی جڑ ہے۔

پہلے دو درجوں پر رہنے والوں کو ان کی نیت کے اعتبار سے ثواب ملے گا لیکن ان کے ایمان اور تقویٰ میں اس وقت تک اضافہ ہونے کا امکان نہیں ہے جب تک کہ وہ ذکر الہی کے تیسرے اور اعلیٰ درجے تک نہ پہنچ جائیں۔

یہ مراحل دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کی کنجی ہیں۔ باب 13 الرعد، آیت 28

”بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔“

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حالات میں رخصت کی اجازت دی ہے سوائے دو چیزوں کے: عدل اور اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ انصاف کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے، خواہ آسانی کے وقت ہو یا مشکل کے۔ اگر انصاف نرم نظر آئے تب بھی وہ ظلم سے زیادہ مضبوط ہے اور ناانصافی سے زیادہ باطل کو ختم کرنے پر قادر ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے

تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور ”رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔¹ پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

غلطیوں کو نظر انداز کرنا

عراق کی مہم کے دوران، ابتدائی طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آنے والے بہت سے شہروں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی، حالانکہ انہوں نے ان کے ساتھ امن کے معاہدے کیے، یہاں تک کہ جس نے مسلمانوں کو ان شہروں پر دوبارہ قبضہ کرنے کی اجازت ، القدس کی فیصلہ کن جنگ تک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یا تو ان لوگوں دی۔ کو معاف کر دیں جنہوں نے مسلم حکومت کے خلاف بغاوت کی، اگر وہ ان کی پیشیمانی کا یقین کر لیں، یا انہیں کسی محفوظ جگہ پر محفوظ راستہ فراہم کر دیں۔ اس نے کسی بھی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کیا۔ لیکن اس نے کسی کو ان سے انتقام لینے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 205 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد " سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... "دے؟"

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

سچائی کے ساتھ رہنمائی کرنا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب عراق کی مہم سے حاصل ہونے والی کثیر مقدار میں مال غنیمت بھیجا گیا تو انہوں نے کہا کہ جن لوگوں نے اسے بھیجا تھا وہ ایماندار تھے، یعنی اگر وہ بے ایمان ہوتے تو وہ اسے اپنے پاس رکھتے۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جیسا کہ تم ایماندار تھا، لوگ بھی دیانت دار تھے اور اگر وہ بے ایمان ہوتا تو لوگ بے ایمان ہوتے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 223 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3

”اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

لہذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں
پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام
کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

سادگی

عراق میں ایک اہم فتح کے بعد، فارسی فوج کے سربراہ الحرموزان نے اس شرط پر خود کو سپرد کر دیا کہ اسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا جائے گا۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو ہرمزان کو اس کے معمول کے مہنگے کپڑے اور پہننے کے لیے تاج دیا گیا تاکہ لوگ اسے اس کی معمول کی حالت میں دیکھ سکیں۔ جب وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے فرش پر سوئے ہوئے پایا۔ الحرمزان حیران رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ وہ کسی محافظ یا دربان سے گھرا ہوا نہیں ہے اور وہ سادہ زندگی گزار رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بیدار ہو کر ہرمزان کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے کہا کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کریں اور اس مادی دنیا کے دھوکے میں نہ آئیں۔ یہ سب دھوکہ ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 228-232 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

خیانت سے بچنا

عراق کی مہم کے دوران جندیصبور کی فتح ہوئی۔ کچھ لڑائی کے بعد، مسلمانوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شہر کے دروازے کھلے ہیں اور عام لوگ اپنے روزمرہ کے کاموں جیسے کہ اپنی بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے نکل رہے ہیں۔ جب ان سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ انہیں مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ ملا ہے اور وہ اس پر راضی ہیں۔ مسلمانوں کے سردار نے ایسا کوئی معاہدہ نہیں بھیجا لیکن اپنے سپاہیوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک نے جو جندیصبور کا غلام تھا، ان کے پاس صلح کا معاہدہ بھیجا تھا۔ جندیصبور کے لوگوں نے اس بات پر زور دیا کہ انہوں نے مسلمانوں سے ایک معاہدہ حاصل کیا اور اسے قبول کر لیا اس لیے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اسے برقرار رکھیں۔ مسلمانوں کے رہنما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو کچھ ہوا اس کے بارے میں لکھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ معاہدہ کو قبول کریں کیونکہ اگر وہ اپنے عہد کو پورا نہیں کرتے تو وہ مخلص نہیں ہوں گے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 233-234 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

کامیابی کا امتحان

سلطنت فارس کی فتح کے بعد، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جنگ کے مال غنیمت میں سے بہت زیادہ دولت بھیجی گئی جس میں فارس کے بادشاہ چسرو کا ذاتی سامان بھی شامل تھا۔ اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی دنیاوی کامیابی اور نفع کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ دونوں زیادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ پیارا ہے۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی کہ یہ اس کے لیے آزمائش ہے۔ وہ بہت رویا اور مال غنیمت کو غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 234 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کی غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے وہ ڈرتا تھا کہ دنیا ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے جو ان کی تباہی کا باعث بنے گا کیونکہ اسی مقابلے نے پچھلی قوموں کو تباہ کیا تھا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیرئیر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی کوئی ان چیزوں کے حصول سے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، اس کی ضرورت سے بڑھ کر اسے آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا۔ یہ انہیں فضول خرچی اور اسراف جیسے برے کردار کی طرف لے جائے گا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ مال حاصل کرنے یا چھٹیوں پر جانے کے لیے آدھی رات کو خوشی خوشی اٹھتے ہیں لیکن جب رضاکارانہ طور پر رات گزارنے کا مشورہ دیا

جائے تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ نماز پڑھنا یا صبح کی فرض نماز میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنا۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مشغول ہو جائیں گے کیونکہ جتنا کوئی اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا۔ اس لیے اس حدیث میں جو تنبیہ دی گئی ہے وہ ان پر لاگو ہوگی۔

آسانی کے ذریعے ٹیسٹ

سلطنت فارس کی فتح کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فارسیوں کی زمینیں، مکانات اور اموال عطا کیے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ کیا کریں گے۔ لہذا انہیں اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیے اور پھر وہ ان کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرے گا۔ اس نے انہیں تنبیہ کی کہ وہ نہ بدلیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کی جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر مسلم قوم کو کچھ برا ہوا تو اس کی وجہ مسلمان بدل گئے ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 251-252 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمان اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرتے ہیں، جیسے کہ نماز باجماعت کے لیے مساجد میں۔ لیکن آسانی کے وقت وہ اکثر آرام کرتے ہیں اور مشکل کے وقت مزید روحانی مشقیں کرنا جانا یا سست ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر مشکل کے وقت آسانی کے وقت زیادہ چوکس رہنا اور اطاعت میں اضافہ کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات مشکل سے زیادہ آسانی کے اوقات میں گناہ زیادہ ہوتے ہیں، جیسے اپنے واجبات کو چھوڑ دینا۔ اگر کوئی تاریخ میں مختلف گمراہ لوگوں مثلاً فرعون اور قرون کا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ ان کے گناہ صرف آسانی کے وقت ہی بڑھتے ہیں۔ جو شخص کسی مشکل کا سامنا کر رہا ہو جہاں وہ پھنس گیا ہو اور اس کے لیے صبر کے ساتھ راحت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اس کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی مشکل سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ آرام کے وقت کا تجربہ کرنے والا شخص لطف اندوز ہونے اور دنیاوی چیزوں میں زیادہ مشغول رہنے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہو گا جو اکثر گناہوں کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر، غربت کا سامنا کرنے والے شخص کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ بہت سے گناہوں کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ، ایک امیر شخص ان گناہوں کا ارتکاب کرنے کے لیے آسان پوزیشن میں ہوتا ہے، جیسے شراب یا منشیات کی خریداری۔ لہذا مسلمانوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھیں یا اس میں اضافہ کریں تاکہ وہ گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اور آسانی کے وقت اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے، اسے مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی جو ان پر کامیابی کے ساتھ قابو پانے میں ان کی مدد کرے گی۔ باب 47 محمد، آیت 7

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم "جمائے گا۔"

خوابشات کی پیروی کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ایک بیٹے کے پاس گوشت کھاتے ہوئے داخل ہوئے۔ جب اس نے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا تو بیٹے نے جواب دیا کہ وہ اسے ترس رہا ہے اس لیے اس نے اپنے لیے خرید لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ آدمی کے لیے یہ اسراف کافی ہے کہ وہ ہر وہ چیز کھا لے جس کی وہ خوابش کرے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 132 میں بحث ہوئی ہے۔

اسلام اگرچہ جائز خوابشات کی تکمیل کی اجازت دیتا ہے لیکن یہ واقعہ اس رویہ پر قائم نہ رہنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کو سمجھنا ضروری ہے، جو اس ذہنیت پر بحث کرتی ہے اور جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ہے۔ اس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب کوئی شخص کسی ممنوعہ علاقے کے قریب سفر کرے، اگرچہ وہ اب بھی ایک حلال علاقے میں ہیں، ایک وقت آ سکتا ہے جب وہ غلط قدم اٹھائیں اور ممنوعہ علاقے میں ختم ہو جائیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو دوسروں کے ساتھ وقت گزارتا ہے جو سگریٹ نوشی کرتے ہیں چاہے وہ خود سگریٹ نہیں پیتے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمباکو نوشی ان کے لیے معمول کی بات ہو گی جو ان کے تمباکو نوشی بننے کے ایک قدم کے قریب ہے۔

اسی طرح جب کوئی غیر ضروری حلال چیزوں میں حد سے زیادہ مشغول ہو جاتا ہے تو وہ ان چیزوں کے قریب ہو جاتا ہے جو حرام ہیں جیسے کہ مال کا ضیاع۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جن حرام کاموں کا ارتکاب کرنا ان کے لیے ناقابل تصور لگتا تھا وہ ان کی نظر میں ایک عام سی بات بن جاتی ہے۔ پھر یہ صرف وقت کی بات ہے جب تک کہ وہ بھی ان حرام کاموں کا ارتکاب نہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر ضروری چیزوں میں ملوث ہونے سے بچیں جو کہ حلال ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ یہ رویہ طویل مدت میں ان کے ایمان اور عزت کی حفاظت کرے گا جس کا پہلے حوالہ سے حدیث بیان کرتی ہے۔

اتفاق سے اختلاف کرنا

عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو ایک بار کسی خاص مسئلے پر جھگڑتے ہوئے دیکھا گیا یہاں تک کہ ایک تماشائی نے یہ تبصرہ کیا کہ وہ کبھی کسی معاہدے پر نہیں پہنچ پائیں گے۔ پھر بھی دونوں صرف بہترین اور خوبصورت ترین شرائط پر الگ ہوئے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 150 میں بحث ہوئی ہے۔

انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا کیونکہ وہ صرف حق کے تابع ہونے کی پرواہ کرتے تھے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں کسی اور کے لیے برے جذبات نہیں رکھتے۔

اس کے علاوہ، کوئی بھی ان لوگوں سے متفق ہونا سیکھ کر یہ رویہ اپنا سکتا ہے جن سے وہ بحث کرتے ہیں۔

چونکہ تمام لوگ ایک جیسے نہیں بنائے گئے ہیں وہ بعض چیزوں پر اختلاف کرنے کے پابند ہیں۔ دین سے متعلق معاملات میں اور جو حلال و حرام میں فرق کرتے ہیں، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، چاہے کوئی بھی ان سے اختلاف کرے یا چیلنج کرے۔ لیکن ایسے معاملات میں جہاں جائز دنیاوی آپشنز میں سے کسی ایک کا انتخاب ہو تو ایک مسلمان کو حق ہے کہ وہ اپنی رائے دوسروں کے سامنے پیش کرے جب ان سے درخواست کی جائے۔ لیکن انہیں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی دباؤ ڈالنا چاہئے اگر دوسرے ان کی رائے سے متفق نہ ہوں۔ جب کوئی شخص وقت کے ساتھ ان اختلافات کو برقرار رکھتا ہے تو وہ لوگوں کے درمیان دشمنی پیدا کر سکتا ہے جو ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے تعلقات کا باعث بن سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نتیجے میں لوگوں سے تعلقات منقطع کرنے کا گناہ بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس طرح کے معاملات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ چیزوں کو جانے دیں اور کسی ایسے شخص کے بارے میں منفی جذبات پیدا نہ کریں جو ان کی رائے اور انتخاب سے متفق نہیں ہے۔ اس کے بجائے انہیں اپنے آپ کو

اختلاف رائے پر راضی کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا چاہیے اور بغیر کسی بیمار جذبات کے صورتحال سے آگے بڑھنا چاہیے۔ ایسا کرنے میں ناکام رہنے والا اپنے آپ کو ہمیشہ دوسروں کے لیے جھگڑا اور دشمنی میں مبتلا پائے گا کیونکہ وہ اپنی خصوصیات اور ذہنیت میں فرق کی وجہ سے بعض موضوعات اور مسائل پر دوسروں سے اختلاف کرنے کے پابند ہیں۔ اس نصیحت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اس دنیا میں امن کی تلاش کا شاخسانہ ہے۔

ایمان پر عمل کرنے کی اہمیت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ ایک بھوسا اٹھاتے ہوئے دیکھا گیا اور کہا کہ کاش میں وہ بھوسا ہوتا، اس کی خواہش تھی کہ وہ کچھ بھی نہ ہو اور اس کی خواہش تھی کہ اس کی ماں اسے کبھی نہ جنم دیتی۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 133 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے گہرے خوف کی طرف اشارہ کرتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس۔ اس خوف کا ایک پہلو اس کا یہ سمجھنا تھا کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت نہ کی تو وہ نہ دنیا میں کامیاب ہو گا اور نہ آخرت میں۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ

جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل

ایک مخلص لیڈر

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایک رشتہ دار نے ایک مرتبہ ان سے عرض کیا کہ آپ کو سرکاری خزانے سے مال دے دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر تنقید کی اور تبصرہ کیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش رکھتے تھے جب کہ وہ ایک غدار بادشاہ تھا؟ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے مال سے مال دیا۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 133 میں بحث ہوئی ہے۔

ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ بادشاہ ہیں یا خلیفہ اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو یہ (ان کے خلاف) بڑی بات ہے۔ کسی نے تبصرہ کیا کہ دونوں میں فرق ہے۔ ایک خلیفہ صرف لوگوں سے وہی چیز لیتا ہے جو (اسلامی قانون کے مطابق) ہے اور وہ اسے صرف صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، جو عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ جبکہ بادشاہ لوگوں کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور غلط طریقے سے لوگوں کا مال ہتھیا لیتا ہے اور اس کا غلط استعمال کرتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 144 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ شرم کی بات ہے کہ نیک پیشروؤں کے زمانے سے حالات اتنے بدل گئے ہیں۔ ان دنوں جب وہ لیڈر بنے تو درحقیقت عوام کے خادم بن گئے اور عوام کا پیسہ اپنے ذاتی کاموں پر خرچ کرنے کے بجائے اپنا ذاتی پیسہ عوام پر خرچ کرتے۔ جبکہ آج کل قائدین اور شاہی خاندان عوام کی دولت خرچ کرنے کے بجائے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ قوم کے آقا ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح پیش روؤں کو اپنا رول ماڈل منتخب کریں اور ان کی خصوصیات کو اختیار کریں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کو ان تمام لوگوں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرنے چاہییں جو ان کی دیکھ بھال میں ہیں جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں

ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اپنی ذاتی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور پھر اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ ان پر لازم ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کریں اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کریں۔

غصے پر قابو پانا

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ بیان کیا کہ جب بھی میں نے اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو غصہ میں دیکھا تو اپنے آپ پر قابو رکھتے اور اپنے غصے پر عمل کرنے سے گریز کرتے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء اس سے ذکر کیا یا جب قرآن پاک کی کوئی آیت ان پر پڑھی گئی۔ صفحہ 133 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر، اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کو قابو میں رکھے تاکہ یہ اسے گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134

جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ” ہے۔“

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ غصے والے شخص کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت، جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابو داؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنی جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی

سے، الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوط انسان قرار دیا ہے۔ درحقیقت نگلنے والا اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا غصہ، یعنی وہ اپنے غصے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں کرتے، ان کا دل سکون اور سچے ایمان سے بھر جائے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88 اور 89

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ”ساتھ آتا ہے۔“

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا، جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن پاک تھی، جو صحیح مسلم نمبر 1739 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر راضی ہو گا جس سے وہ راضی ہو گا اور جس سے ناراض ہو گا اس پر ناراض ہو گا۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابل ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے: خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

رومیوں کے خلاف مہم

ایک ایماندارانہ تفصیل

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام کی مہم جاری رہی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور انہیں شام کی مہم کا سربراہ مقرر کیا۔ انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کچھ سچی خصوصیات کا بھی ذکر کیا، جن کا جاننا اور ان کی تقلید ضروری ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 269-270 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حق کے مطابق عمل کرنے والا قرار دیا۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔

اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

عمر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی نیکی کا حکم دینے والا قرار دیا۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل و عیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

عمر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی ایک نرم مزاج، نرم مزاج اور ملنسار شخص قرار دیا۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر

موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔"

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

عمر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی ایک عقلمند شخص قرار دیا۔

حکمت انسان کو اپنے علم کا صحیح استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمحل ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی

كے اشارے پر بھی ركھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان كو بتا دیا ہے كه ايك ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل كو حل كر سكتا ہے۔ لیكن مسلمانوں كو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل كرنے اور اس پر عمل كرنے كی جدوجہد كریں گے۔

ایک لیڈر کو مشورہ

غزوہ شام کے دوران ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جو امام محمد السلبی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات میں درج ہے۔ ، جلد صفحہ 270، 2

انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ اب جب وہ خلیفہ بن گئے ہیں تو ان کے پاس دشمن، دوست، شریف اور ذلیل، طاقتور اور کمزور سب آئیں گے۔ ان سب کے اس پر کچھ حقوق ہوں گے اور اسے پورا کرنے میں احتیاط کرنی چاہیے۔

یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص اپنانے سے حاصل ہوتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بھی نصیحت کی کہ وہ مسلسل یاد رکھیں اور قیامت کے لیے تیاری کریں۔ جس دن لوگوں کے دلوں کے تمام راز کھل جائیں گے اور تمام پوشیدہ معاملات کھل کر سامنے آ جائیں گے اور تمام لوگ اس بادشاہ کے تابع ہو جائیں گے جو ان کو اپنی قدرت سے مسخر کر دے گا۔ لوگ اس کے فیصلے کے انتظار میں، اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اپنے آپ کو سر تسلیم خم کر دیں گے۔

صور پھونکا مخلوق کی موت کا باعث بنے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7381 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جاننے کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسی اذان ہے جس کا جواب نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ ہی رد کرے گا۔ یہ قیامت اور آخری فیصلے کی طرف لے جائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ باب 8 انفال، آیت 24

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کی بات مانو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے "جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔"

جو بھی اس دنیا میں اس پکار کا جواب دے گا وہ آخری پکار کو برداشت کرنے اور اس کا جواب دینے میں آسان پائے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی پکار سے غافل رہنے والے کو اس دنیا میں سکون نہیں ملے گا اور وہ صور کی پکار پر لبیک کہنے پر مجبور ہوں گے جو ان کے لیے برداشت کرنا اور اس پر لبیک کہنا بہت بڑا بوجھ ہوگا۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی پکار کو صرف اس وقت تک نظر انداز کر سکتا ہے جب تک کہ آخری دعوت جلد یا بدیر واقع ہو گی اور کوئی بھی اس سے بچنے یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اگر یہ ناگزیر ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی غفلت میں رہنے کے بجائے آج ہی اس کا جواب دے۔ اگر کوئی صور پھونکنے کی آواز سنتا ہے اور غافل ہوتا ہے تو کوئی عمل یا پشیمانی اس کو فائدہ نہیں دے گی اور اس کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا۔

ادراک کی اہمیت

شام کی مہم کے دوران حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن جراح کو انچارج مقرر کیا۔ جب یہ خبر آپ تک پہنچی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دنیا میں اقتدار نہیں چاہا اور یہ دنیاوی نفع نہیں ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جو کچھ لوگ اس دنیا میں دیکھتے ہیں وہ جلد ختم ہو جائے گا اور ختم ہو جائے گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 271 میں بحث کی گئی ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے اور آخرت کے اچھے گھر کے حصول کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ ذہنیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اس مادی دنیا اور آخرت کے حوالے سے صحیح فہم و ادراک اختیار کرتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پروا نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا

پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔
باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ”یہ حق ہے۔“

حسد کو ختم کرنا

شام کی مہم کے دوران، ابو عبیدہ بن جراح کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انچارج مقرر کیا تھا، اس لیے ان کی جگہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ لینے میں کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن سننے والوں کو یاد دہانی کے طور پر، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے والے بھائی تھے۔ اور اگر کسی مسلمان کا بھائی اس پر مقرر کیا جائے تو اس سے اس کے روحانی یا دنیاوی امور کو نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ اس کا ذمہ دار فتنہ کے زیادہ قریب ہو یا اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے گناہ میں پڑ جائے۔ سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 271 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسد نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے۔ درحقیقت عام طور پر دیکھا جائے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2510 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ مسلمانوں کو بھلائی کی حمایت کرنے کے اہم فریضے کو پورا کرنے سے روکتا ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کرتا ہے کیونکہ غیرت مند شخص دوسروں کی مدد کرنے کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ انہیں یقین ہے کہ معاشرے میں دوسرے شخص کا درجہ ان کے اپنے سے بڑھ جائے گا۔

ایک مسلمان کو اپنے کردار سے حسد کو دور کرنے کے لیے قدم اٹھانا چاہیے۔ ایک چیز جو اس مقصد میں مدد کر سکتی ہے وہ ہے اس پر قناعت کرنا جو انسان کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی خواہشات کے مطابق نہیں دیتا کیونکہ یہ ان کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ وہ اس کے بجائے وہ دیتا ہے جو ہر شخص کے ایمان کے لیے بہترین ہے۔ اس کو سمجھنا دوسروں کے پاس موجود حسد کو ختم کر سکتا ہے۔ کتنے مسلمانوں نے ایسی دولت حاصل کی جس سے ان کا ایمان ٹوٹ گیا؟ اور کتنے مسلمانوں کو قیامت کے دن معاف کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر سے امتحان لیا؟ باب 2

البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ چونکہ یہ مادی دنیا محدود ہے اس کے اندر موجود چیزوں پر حسد کرنا آسان ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان آخرت کا ارادہ رکھتا ہے اور اسے مادی دنیا کی زیادتی پر ترجیح دیتا ہے تو یہ ان سے حسد دور کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں لامحدود ہیں اس لیے حسد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ درحقیقت گھومنے پھرنے کی بہت سی نعمتیں ہیں، وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ لیکن دنیا میں پائی جانے والی محدود چیزوں کا جتنا زیادہ مقصد اور خواہش کرے گا وہ اتنا ہی زیادہ غیرت مند ہوگا۔

عزت اور ذلت

شام کی طرف مہم کے دوران مسلمانوں کی ایک فوج نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ اس کے لوگ اس شرط پر شہر کا کنٹرول مسلمانوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے کہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود ان کے پاس آئیں۔ وہ راضی ہو گیا اور طویل سفر کے بعد یروشلم پہنچا۔ جب وہ یروشلم کے قریب تھا تو اس نے اپنے جرنیلوں سے ملاقات کی اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ عمدہ لباس پہنیں اور رسمی گھوڑے پر سوار ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سرزنش کی اور انہیں یاد دلایا کہ وہ روئے زمین پر سب سے ذلیل لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا۔ اور اگر وہ کسی اور چیز میں عزت چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیات الاولیاء، نمبر 69-70 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4297 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ عنقریب ایک ایسا دن آنے والا ہے جب دوسری قومیں امت مسلمہ پر حملہ آور ہوں گی اور اگرچہ وہ کثیر تعداد میں ہوں گی۔ دنیا کی طرف سے غیر معمولی سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ دوسری قوموں کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف نکال دے گا۔ یہ مسلم قوم کی مادی دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ابھی تعداد میں کم تھے، پوری قوموں پر غالب آگئے جبکہ مسلمان آج تعداد میں زیادہ ہیں، دنیا میں ان کا کوئی سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق بسر کی اور دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آخرت کی تیاری کی۔ جبکہ آج اکثر مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام گناہوں کی جڑ مادی دنیا کی محبت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی گناہ کیا جاتا ہے وہ اس کی محبت اور خواہش سے کیا جاتا ہے۔ مادی دنیا کو چار پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کے رشتہ دار اور دوست۔ یہ ان چیزوں کے زیادہ حصول میں ہے جو گناہوں کی

طرف لے جاتے ہیں، جیسے کہ قسمت کی محبت میں ناجائز دولت کمانا۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ دولت اور اختیار کی محبت ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جائے۔ جب بھی لوگ مادی دنیا کے ان پہلوؤں کی زیادتی کے خواہاں ہوتے ہیں تو یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ختم ہو جاتی ہے جو مصیبت کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

حالانکہ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ مادی دنیا کی ضرورت سے زیادہ چیزوں کا تعاقب کرنا نقصان دہ ہے یہ وہ چیز ہے جس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں تنبیہ کی ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 3158 میں موجود ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی غربت سے نہیں ڈرتا تھا۔ اسے جس چیز کا اندیشہ تھا وہ یہ تھا کہ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی کے پیچھے لگ جائیں گے، جیسے کہ دولت کی زیادتی، اور اس کی وجہ سے وہ اس پر ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے اور یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ گزشتہ امتوں کا طرز عمل تھا۔

چونکہ مادی دنیا محدود ہے یہ ظاہر ہے کہ اگر لوگ اپنی ضروریات سے زیادہ چاہیں تو اس میں مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ مقابلہ انہیں ان خصوصیات کو اپنانے پر مجبور کرے گا جو ایک سچے مسلمان کے کردار سے متصادم ہوں، جیسے کہ دوسروں کے لیے حسد اور دشمنی۔ وہ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ مادی دنیا کو جمع کرنے اور جمع کرنے میں مقابلہ کرنے میں بہت مصروف ہیں۔ اور وہ صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں دی گئی نصیحت کے خلاف ہوں گے، جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو باقی جسم کو درد میں شریک ہو کر مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح عمل کرنا چاہیے۔ یہ مقابلہ ایک مسلمان کو دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا چھوڑ دے گا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے کیونکہ وہ دنیاوی چیزوں میں اپنے ساتھی مسلمانوں پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ اس مقابلے پر قائم رہنا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے مادی دنیا کی خاطر محبت، نفرت، دینے اور سب کچھ روکنے کا سبب بنے گا، جو کہ سنن میں موجود ایک حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ ابوداؤد، نمبر 4681۔ یہ مقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آج کے بہت سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے۔

اگر مسلمان دوبارہ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں تو انہیں اس مادی دنیا کو حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ انفرادی سطح سے ہونا چاہیے جب تک کہ اس کا اثر پوری قوم پر نہ پڑے۔

برتری اور کامیابی

شام کی طرف مہم کے دوران مسلمانوں کی ایک فوج نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ اس کے لوگ اس شرط پر شہر کا کنٹرول مسلمانوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے کہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود ان کے پاس آئیں۔ اس نے اتفاق کیا اور ایک طویل سفر کے بعد وہ یروشلم پہنچا جہاں اس نے یروشلم کے لوگوں کے ساتھ ایک امن معاہدہ کیا جس میں لوگوں کو ان کی اس پر جسمانی اور مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی جب تک کہ وہ ٹیکس (جزیہ) ادا کرتے رہیں۔ امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 295-296 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو 2515

کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

ایک مسافر

شام کی طرف مہم کے دوران مسلمانوں کی ایک فوج نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ اس کے لوگ اس شرط پر شہر کا کنٹرول مسلمانوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے کہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود ان کے پاس آئیں۔ وہ راضی ہو گیا اور طویل سفر کے بعد یروشلم پہنچا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہنے کی تاکید کی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے گورنروں کو دیکھتے رہتے تھے کہ وہ معاشرے کے رہنما کی طرح زندگی گزارتے اور برتاؤ کرتے تھے۔ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوا تو اسے تلوار، ڈھال اور زین کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ جب اس نے اپنے طرز زندگی کے بارے میں سوال کیا تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ اسے اس کی منزل یعنی آخرت تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا کہ دنیا نے ان سب اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، کو بدل دیا ہے سوائے ان کے۔ جلد 2، صفحہ 302-303 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصیحت کرتے تھے کہ جب آدمی شام کو پہنچے تو صبح کے زندہ ہونے کی امید نہ رکھے۔ اور اگر وہ صبح کو پہنچ جائیں تو شام کو زندہ ہونے کی امید نہ رکھیں۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت سے استفادہ کرے اور موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو لمبی عمر کے لیے اپنی امید کو محدود کرنے کا درس دیتی ہے جو کہ آخرت کی تیاری میں ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے جب کہ اپنی پوری کوشش کو مادی دنیا کے لیے وقف کرنا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو قائل کرتی ہے کہ آخرت کی تیاری کے لیے ان کے پاس کافی وقت ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اس عارضی دنیا کو اپنا مستقل گھر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں کسی ایسے شخص کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اسے چھوڑنے والا ہے، کبھی

واپس نہ آنے والا ہے۔ اس سے انسان کو ترغیب ملے گی کہ وہ اپنی کوششوں کی اکثریت کو اپنی آخری منزل یعنی آخرت کی تیاری میں وقف کر دے اور مادی دنیا کے حصول میں اپنی کوششوں کو محدود کر دے جو ان کی ضرورت اور ذمہ داریوں سے باہر ہے۔ اس تصور پر پورے قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بحث ہوئی ہے، مثال کے طور پر باب 40 غافر، آیت 39:

”یہ دنیوی زندگی تو محض [عارضی [لطف اندوزی ہے، اور درحقیقت آخرت - یہی [مستقل [ٹھکانے “ کا گھر ہے۔

جامع ترمذی کے نمبر 2377 میں زیر بحث مرکزی حدیث سے ملتی جلتی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں اپنے آپ کو ایک سوار کے طور پر بیان فرمایا جو اس کے سائے میں تھوڑا سا آرام کرتا ہے۔ ایک درخت اور پھر تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کی دنیاوی نوعیت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا موازنہ سایہ سے کیا جو کہ سب جانتے ہیں کہ ظاہری طور پر مستقل ہونے کے باوجود زیادہ دیر تک نہیں رہتی۔ کچھ لوگوں کو مادی دنیا اس طرح ظاہر ہو سکتی ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے دنیا ہمیشہ باقی رہے گی جبکہ حقیقت میں یہ بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ اس حدیث میں سوار کا ذکر ہے نہ کہ پیدل چلنے والے کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوار پیدل سفر کرنے والے کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم آرام کرے گا۔ اس سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اس دنیا میں قیام بہت مختصر ہے۔ یہ سب پر بالکل واضح ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک جھلک میں گزر گئی۔ تو درحقیقت چاہے کوئی بڑھاپے کو پہنچے یا نہ پہنچے زندگی صرف ایک لمحہ ہے۔ باب 79 نزیات، آیت 46

جس دن وہ اسے دیکھیں گے، گویا وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہے تھے سوائے ایک دوپہر یا صبح کے۔“

درحقیقت مادی دنیا ایک پل کی مانند ہے جسے عبور کرنا ہے نہ کہ مستقل گھر کے طور پر۔ جس طرح کوئی شخص بس اسٹیشن کو اپنا گھر نہیں سمجھتا یہ جانتے ہوئے کہ وہ وہاں تھوڑے ہی عرصے کے لیے ٹھہرے گا، اسی طرح ابدی آخرت تک پہنچنے سے پہلے دنیا ایک مختصر پڑاؤ ہے۔

جب کوئی زندگی بھر کی چھٹیوں میں ایک بار جاتا ہے، تو زیادہ تر معاملات میں، وہ عیش و آرام کی گھریلو اشیاء، جیسے کہ ایک وسیع اسکرین ٹیلی ویژن پر اپنے اخراجات کو محدود کر دیتے ہیں اور اس کے بجائے ان کا ہوٹل جو بھی خدمات پیش کرتا ہے اس کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہوٹل میں ان کا قیام مختصر ہو گا اور جلد ہی وہ واپس جانے کے لیے واپس نہیں جائیں گے۔ یہ ذہنیت انہیں چھٹیوں کی منزل کو اپنے مستقل گھر کے طور پر لینے سے روکتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کو زمین پر ایک مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا جو یقینی طور پر اسے اپنا مستقل ٹھکانہ بنانا نہیں تھا۔ اس کے بجائے انہیں اس سے رزق لینے کے لیے بھیجا گیا تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔

جب بھی کوئی شخص سفر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے وہ سامان حاصل کرتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے تاکہ سفر کو آرام دہ اور کامیاب بنایا جاسکے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کا بہترین سامان تقویٰ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 197

”بے شک بہترین رزق اللہ سے ٹرنا ہے۔“

یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا سے آخرت تک کا سفر مکمل کرنے کے لیے دوسرے رزق جیسے خوراک کی ضرورت ہے۔ لیکن جس رزق کو ترجیح دی جائے وہ تقویٰ ہے کیونکہ یہ واحد رزق ہے جو کسی کو دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ جبکہ رزق کی باقی تمام اقسام مثلاً کھانا، مال اور مکان کسی کو اس دنیا میں فائدہ دے گا جب تک کہ آخرت کے لیے وقف نہ ہو، جیسے صدقہ کرنا، لیکن یہ درحقیقت تقویٰ کا حصہ ہے۔

چونکہ مادی دنیا کسی شخص کا مستقل ٹھکانہ نہیں ہے لہذا ان کو چاہیے کہ زیر بحث مرکزی حدیث پر عمل کریں اور یا تو اجنبی یا مسافر کی طرح زندگی گزاریں۔

اجنبی ہونے کی پہلی حالت وہ ہے جو اپنے دل و دماغ کو اپنے عارضی گھر سے نہیں لگاتا۔ ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کافی سامان اکٹھا کریں تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت میں بحفاظت واپس لوٹ سکیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو کام کے ویزے پر کسی بیرونی ملک میں رہتا ہے۔ ان کے کام کی جگہ ان کا گھر نہیں ہے۔ صرف پیسہ کمانے کی جگہ تاکہ وہ اس کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ سکیں۔ یہ شخص کبھی بھی اجنبی ملک کو اپنا گھر نہیں سمجھے گا۔ اس کے بجائے، وہ صرف ضروری چیزوں پر خرچ کرتے ہیں اور اپنی دولت کو بچانے پر توجہ دیتے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت واپس اپنے حقیقی اور مستقل گھر میں لے جائیں۔ اگر اس شخص نے اپنی ساری یا زیادہ تر دولت بیرون ملک خرچ کر دی اور خالی ہاتھ اپنے وطن واپس آ گیا تو بلاشبہ ان کے رشتہ داروں کے نزدیک وہ قابل ملامت تصور کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ورک ویزا پر کسی دوسرے ملک میں رہنے کے اپنے مشن اور مقصد میں ناکام رہے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنی کوششوں کی اکثریت رزق کے حصول میں وقف کر دے تاکہ آخرت کی طرف لے جائے۔ انہیں مادی دنیا کی آسائشوں کے لیے دوسروں کے ساتھ مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں ابدی آخرت کے حصول کے لیے اپنے مشن پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ اگر وہ اپنے عارضی گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ محنت کریں گے تو وہ آخرت میں بغیر تیاری اور خالی ہاتھ داخل ہوں گے اور اس لیے اپنے اس مشن میں ناکام ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے ساتھ ایماندار ہونا چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ دن کے کتنے گھنٹے

مادی دنیا اور آخرت کی تیاری کے لیے وقف کرتے ہیں۔ یہ خود غور و فکر انہیں دکھائے گا کہ ان کی ذہنیت صحیح ہے یا نہیں اور آخرت پر ان کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔ باب 87 العلا، آیات 16-17

"لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ جب کہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوع انسان کی طرف اس وقت بھیجا گیا جب وہ سب سے ذلیل تھے اور ان کی اکثریت گناہوں کی زندگی گزار رہی تھی جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح دلائل کے ساتھ راہ حق کی طرف بلایا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کے واضح پیغام کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی۔ اس نے ان سے وعدہ کیا کہ اسلام بہت سی قوموں کو فتح کرے گا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ دولت حاصل ہوگی۔ لیکن اس نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ مادی دنیا کی آسائشوں میں مشغول نہ ہوں۔ اس تنبیہ کی ایک مثال سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں کے لیے مقابلہ کرنا انسانوں کو تباہ کر دے گا۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنیادی ضروریات پر قناعت کریں اور آخرت کی تیاری پر توجہ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب پورا ہوا۔ جب مسلمانوں کے لیے دنیا کھول دی گئی تو ان کی اکثریت مسابقت، جمع، ذخیرہ اندوزی اور مادی دنیا کی زیادتی سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے آخرت کی تیاری صحیح طریقے سے ترک کر دی جیسا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ صرف چند لوگوں نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اور اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی لیا اور اپنی زیادہ تر کوششیں ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کر دیں۔ یہ چھوٹی سی جماعت، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور نیک پیشرو، آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے اور عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور نقش قدم پر چلتے رہے۔ دوسری طرف، اکثریت اپنی غفلت میں مادی دنیا کا پیچھا کرتی رہی یہاں تک کہ موت نے انہیں بغیر تیاری کے پکڑ لیا۔

دوسری ذہنیت جو مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ مسافر کی ہے۔ یہ شخص اس مادی دنیا کو اپنا گھر نہیں سمجھتا بلکہ اپنے حقیقی گھر یعنی

آخرت کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہ ذہنیت ایک بیک پیکر جیسی ہے جو مختلف شہروں میں سو سکتا ہے لیکن انہیں کبھی اپنا گھر نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے ساتھ صرف وہی سامان لے جاتے ہیں جو وہ معنی، لوازم لے سکتے ہیں۔ اس میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کی انہیں زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہے اور یہ انہیں اپنی منزل تک محفوظ طریقے سے پہنچنے میں مدد کرے گی۔ ایک بیک پیکر کبھی بھی غیر ضروری اشیاء کو پیک نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ چیزیں ان کے لئے صرف ایک بوجھ ہوں گی۔ اور نہ ہی وہ اپنے سفر کو محفوظ طریقے سے مکمل کرنے کے لیے ضروری سامان پیک کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اسی طرح ایک ذہین مسلمان صرف اس مادی دنیا سے اعمال اور قول کے حوالے سے اعمال جمع کرتا ہے جو اسے آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ وہ ان تمام افعال و کلام سے منہ موڑ لیں گے جو ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بوجھ بن جائیں گے۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 4104 میں موجود ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنانے کی تلقین کی۔

بے شک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں ”سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس پر ہے ہم اسے ایک بنجر زمین بنا دیں گے۔“

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دن اور رات صرف مختصر مراحل ہیں جن میں لوگ سفر کرتے ہیں، مرحلہ وار، آخرت تک پہنچنے تک۔ لہذا انہیں چاہیے کہ ہر مرحلہ کو اعمال صالحہ کی صورت میں آگے کا رزق بھیج کر استعمال کریں۔ انہیں مسلسل آگاہ رہنا چاہیے کہ سفر بہت جلد ختم ہونے والا ہے اور وہ آخرت تک پہنچ جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر سفر لمبا لگتا ہے تو یہ بالآخر ایک لمحے کی طرح محسوس ہوگا لہذا اسے ختم ہونے سے پہلے اسے اطاعت کا لمحہ بنانا چاہئے جب کہ وہ تیار نہیں ہیں۔ باب 79 نزیات، آیت 46

جس دن وہ اسے دیکھیں گے، گویا وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہے تھے سوائے ایک دوپہر یا صبح کے۔“

ہر سانس کے ساتھ دنیا کو پیچھے چھوڑ کر آخرت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگرچہ بظاہر کوئی حرکت نہیں کرتا لیکن حقیقت میں دن اور رات ان کی آمدورفت کا کام کرتے ہیں جو انہیں تیزی سے بغیر توقف کے، اگلی دنیا میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، جلد ہی ایک دن آئے گا جب وہ اس کی طرف لوٹیں گے۔ جب وہ واپس آئیں گے تو انہیں پوچھ گچھ کے لیے روک دیا جائے گا۔ اس لیے انہیں اس تفتیش کے لیے کچھ اچھی تیاری کرنی چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کریں، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کریں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں۔ لیکن اگر وہ غافل رہیں اور تیاری میں ناکام رہیں تو ان سے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو باقی ہے اس کے لیے ان سے کارروائی کی جائے گی۔

صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نصیحت کی طرف چلتے ہیں جس کا ذکر زیر بحث مرکزی حدیث میں ہے۔ اس کا پہلا حصہ اس دنیا میں لمبی زندگی کی امید کو مختصر کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اس دنیا میں طویل عرصے تک رہیں گے کیونکہ وہ کسی بھی وقت مر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کئی سال تک زندہ رہتا ہے تو پھر بھی لگتا ہے کہ زندگی ایک جھٹکے میں چلی گئی ہے۔ یہ وہی ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے کہ اگر وہ شام کو پہنچیں تو وہ صبح کو زندہ ہوں گے۔ یہ ذہنیت دنیاوی ذمہ داریوں کو نبھانے اور آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا سے صرف اس چیز کو لینے کی بنیادی وجہ ہے۔ جب کہ لمبی عمر کی امید رکھنا اس کے مخالف معنی کی اصل وجہ ہے، اس سے انسان کو اعمال صالحہ اور گناہوں سے باز رہنے کے ذریعے آخرت کی تیاری میں تاخیر ہوتی ہے اور اسے اس پر یقین رکھتے ہوئے مادی دنیا کو جمع اور ذخیرہ کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ بہت طویل ہو جائے گا

اس کے علاوہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمانوں کو بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرنے کی نصیحت کی۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ اچھی صحت کی قدر صرف اس کے کھو جانے کے بعد کرتے ہیں جس کی تنبیہ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ اچھی صحت کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی جسمانی اور

ذہنی طاقت کو اطاعت میں استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک اعمال کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے سے قبل اس کے کہ وہ اس وقت تک پہنچ جائیں جب وہ نیک اعمال کرنے کی خواہش رکھتے ہوں لیکن خرابی صحت کی وجہ سے اب نہیں کر سکتے۔ ان کی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرنے والے کو ان نیک اعمال کا اجر دیا جائے گا جو انہوں نے اپنی صحت کے دوران کیے تھے، یہاں تک کہ جب وہ بیماری کا سامنا کریں اور انہیں مزید نہ کر سکیں۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 2996 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جبکہ جو شخص اپنی صحت کا صحیح استعمال نہیں کرتا وہ بیمار ہونے پر اس ممکنہ اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ان کے پاس پشیمانی کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی نصیحت کا آخری حصہ یہ ہے کہ انسان کو موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرنا چاہیے۔ اس میں ان تمام چیزوں کا استعمال شامل ہے جو اعمال صالحہ کی طرف لے جاتی ہیں، جیسے کہ مال، اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا جو نیک کاموں سے روکتی ہیں، جیسے کہ غیر ضروری مصروفیات۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کریں اس سے پہلے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں میں مشغول ہو جائیں جو فطری طور پر وقت گزرنے کے ساتھ ہوتی ہیں، جیسے کہ شادی۔ اور اپنی مالی ذمہ داریوں میں اضافے سے پہلے اپنی دولت کا خوب استعمال کریں۔

جیسا کہ جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2403 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام لوگوں کو موت کے وقت ندامت ہوگی۔ نیکی کرنے والے پچھتائیں گے کہ انہوں نے مرنے سے پہلے مزید نیکیاں نہیں کیں۔ گنہگار شخص پچھتائے گا کہ اس نے اپنی موت سے پہلے سچے دل سے توبہ نہیں کی۔ اس دنیا میں لوگوں کو اکثر دوسرا موقع دیا جاتا ہے مثال کے طور پر، ڈرائیونگ ٹیسٹ کو دوبارہ کرنا، لیکن ایک شخص کے مرنے کے بعد کوئی کام نہیں ہوتا۔ پشیمانی ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس کے بجائے، یہ صرف ان کے درد اور تکلیف میں اضافہ کرے گا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ جو وقت انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کے لیے دیا گیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اس لمحے کو استعمال کریں۔ کاموں کو کل تک موخر کرنے کی ذہنیت کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اکثر معاملات میں یہ کل کبھی نہیں آتا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ آج پر توجہ مرکوز کرے اور اس لیے وہ کام کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جیسا کہ کل اس دنیا میں آئے گا لیکن وہ اس کی گواہی دینے کے لیے زندہ نہ ہوں۔

مخلص سپاہی

شام کی مہم کے دوران، رومی بادشاہ، ہراکلیس قسطنطنیہ کی طرف پیچھے ہٹ گیا۔ وہاں اس نے ایک شخص سے جو مسلمانوں کی فوجوں میں سے ایک کا قیدی تھا مسلمانوں کی خصوصیات کے بارے امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 2، صفحہ 301 میں سوال کیا۔ یہ بحث میں درج ہے۔

اس شخص نے مسلمان سپاہیوں کو دن میں نائٹ قرار دیا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4168 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مضبوط مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ محبوب ہے۔

یہ لازمی طور پر جسمانی طاقت کا حوالہ نہیں دیتا ہے جس کا استعمال اعمال صالحہ کے لیے کرتا ہے۔ لیکن اس سے مراد علم اور اس پر عمل کرنا بھی ہے۔ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اس سے یقین کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ جس کا ایمان پختہ ہو وہ اپنے علم کے مطابق اپنے فرائض ادا کرے گا اور کمزور مومن کی طرح اندھی تقلید نہیں کرے گا۔ ایک کمزور مومن سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کسی چیز پر یقین کرتا ہے جیسے کہ اسے بتایا گیا کہ کوئی شخص ان کے گھر کے اندر ہے جبکہ مضبوط مومن یقین رکھتا ہے اور علم کی بنیاد پر عمل کرتا ہے مثال کے طور پر، اگر اس نے اپنے گھر کے اندر موجود شخص کو کھڑکی سے دیکھا۔ جس کا ایمان جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی صورت میں اس کی اطاعت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ان کی کامیابی میں اضافہ ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ ”حق ہے۔“

اس شخص نے رات کے وقت مسلمان فوجیوں کو راہب بھی قرار دیا۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوبی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تنہا انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ باب 17
الاسراء، آیت 79

اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو [یعنی قرآن کی تلاوت] اپنے لیے اضافی " [عبادت] کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

اس شخص نے مسلمان فوجیوں کو ایسے لوگ بھی قرار دیا جو کبھی بھی غیر قانونی طور پر کوئی چیز نہیں لیتے تھے۔

ناجائز استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 :البقرہ، آیت 188

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ ”[لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔

اس شخص نے مسلمان سپاہیوں کو ایسے لوگ بھی قرار دیا جو دوسروں تک اسلامی سلامتی کا پیغام پھیلانیں گے۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل مسلمان اکثر صرف ان لوگوں کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے لیے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریر اور عمل میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی کے اسلامی سلام کو صحیح طریقے سے پورا کرے۔ یہ حقیقت سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مسلمان اور مومن کی تعریف ہے۔

اس شخص نے مسلمان سپاہیوں کو بھی ایسے لوگ قرار دیا جنہوں نے ان کی مخالفت کرنے والوں کو تباہ کر دیا۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69

”اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔“

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین

ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ان کی تفصیل سننے کے بعد ہیری کلیس نے تبصرہ کیا کہ اگر مسلمان سپاہی اس آدمی کے کہنے کے مطابق ہوں تو وہ اس کے پاؤں تلے کی زمین کو فتح کر لیں گے۔

مالی معاملات

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شروع میں شام کے ایک شہر حمص پر قابض تھے۔ لیکن جب یہ خبر آئی کہ رومی حمص پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو حکمت عملی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے شہر سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ جو ٹیکس (جزیہ) اس کے شہریوں سے وصول کیا گیا تھا اسے واپس کر دیا جائے کیونکہ یہ ٹیکس صرف اس وقت لیا جاتا ہے جب کسی ملک میں مسلمانوں کی حکومت جاری ہو۔ لوگ ان کے طرز عمل پر حیران رہ گئے کیونکہ وہ رومیوں کے عادی تھے کہ ان سے ان کا سارا مال چھین لیں۔ لوگوں نے مسلمانوں کے لیے فتح حاصل کرنے کی دعا کی تاکہ وہ واپس آجائیں اور ایک بار پھر حمص پر قابو پالیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 305-306 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ واقعہ کسی کے معاہدوں کو پورا کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، خاص طور پر مالی معاملات۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر

میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو 2079 چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

مصر کی طرف مہم

فکسنگ کرپٹ نہیں۔

عمر بن خطاب نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا جس پر رومیوں کا کنٹرول تھا۔ جب اس نے اس کے ایک شہر الفارمہ کو فتح کیا تو اس نے اپنے سپاہیوں کو یاد دلایا کہ مصر کے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ امن کے دستے ہیں اور انہیں زمین میں فساد نہیں کرنا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ وہ اس کے معاملات کو درست کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بہترین نمونہ پیش کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 312-313 میں بحث کی گئی ہے۔

بدعنوانی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنے پاس موجود نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، خاص طور پر اپنے سماجی اثر و رسوخ کو، دنیاوی چیزوں جیسے طاقت اور دولت حاصل کرنے کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تئیں ایک مسلمان کے فرائض کو متاثر کرتا ہے اور لوگوں کے خلاف بہت سے گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ظلم۔

جب عوام ایک دوسرے کو ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے

ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی حدیث کے مطابق اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے صحیح معنوں میں اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں۔“

شکر گزاری کا عمل

مصر کی مہم کے دوران، بلبیس کی فتح مصر کے حکمران کی بیٹی کی گرفتاری کا باعث بنی۔ مسلم جرنیل عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے سپاہیوں کو نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دینے کا اسلامی اصول یاد دلایا: باب 55 الرحمن، آیت 60

"کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ ہے؟"

پھر انہیں یاد دلایا کہ مصر کے حاکم نے کئی سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدیہ بھیجا تھا اور وہ اس احسان کا بدلہ ان کے پاس اپنی بیٹی اور ان تمام لوگوں کو بھیج کر دیں جو ان کے ساتھ پکڑے گئے تھے اور مال و دولت جو اس کے ساتھ بھی پکڑا گیا تھا۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور اس کے والد مسلمانوں کے طرز عمل سے خوش ہوئے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 314-316 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، لیکن لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ اس کے والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہذا،

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا حمایت کے لیے ہمیشہ قدردانی کا مظاہرہ کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں چاہیے کہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور اس شخص کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور منتخب کیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملی طور پر ان کے احسان کا بدلہ ان کی وسعت کے مطابق ادا کرے خواہ یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافے کا خواہاں ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

مسلمانوں کا رویہ

مصر کی مہم کے دوران بابلیوں کے قلعے کا مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ مصر کے حاکم المقوقس نے اپنے چند ایلچیوں کے ساتھ مسلمانوں کے رہنما عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھیجا تھا۔ ایلچی دو دن تک مسلمانوں کے پاس رہے اور واپسی پر مقوقس نے ان سے کہا کہ مسلمانوں کا حال ان کے سامنے بیان کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 325-327 میں بحث کی گئی ہے۔

سفیروں نے مسلمانوں کو ایسی قوم قرار دیا جن کے نزدیک موت زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔

اس لیے کہ انہوں نے مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ یہ رویہ اس وقت اختیار کیا جا سکتا ہے جب وہ اس مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور ادراک اختیار کریں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس

سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

سفیروں نے مسلمانوں کو ایک ایسی قوم کے طور پر بھی بیان کیا جن کے نزدیک عاجزی اعلیٰ مقام سے زیادہ عزیز ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا تو اس کے درجات بلند ہوں گے۔ ایسا ہوتا ہے کیونکہ عاجزی اللہ کی بندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ عاجزی کا مخالف جو کہ فخر ہے صرف مالک یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز جو لوگوں کے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے پیدا اور عطا کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان غرور سے بچتا ہے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے عاجزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی ہے اور دونوں جہانوں میں حقیقی عظمت کی طرف لے جاتی ہے۔

سفیروں نے مسلمانوں کو ایک ایسی قوم کے طور پر بھی بیان کیا جن کو مادی دنیا کی کوئی خواہش یا محبت نہیں تھی۔

جب لوگ، خواہ ان کے عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، چھٹی پر جاتے ہیں تو وہ صرف اپنی ضرورت کی چیزیں پیک کرتے ہیں اور شاید تھوڑا سا اضافی لیکن وہ اوور پیکنگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھ جو رقم بھی لے جاتے ہیں وہ اپنے بیرون ملک قیام کے حوالے سے محدود کرتے ہیں۔ جب وہ آتے ہیں تو وہ اکثر ایسے ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں جس میں عام طور پر چند ایکسٹرا کے ساتھ رہنے کی بنیادی ضروریات ہوتی ہیں۔ اگر انہیں یقین ہے کہ وہ مستقبل میں کبھی بھی اسی منزل پر واپس نہیں آئیں گے تو وہ کبھی گھر نہیں خریدیں گے کیونکہ وہ دعویٰ کریں گے کہ ان کا قیام مختصر ہے اور وہ واپس نہیں آئیں گے۔ انہیں چھٹیوں کے دوران یہ دعویٰ کرتے ہوئے کوئی نوکری نہیں ملتی کہ ان کا قیام مختصر ہے لہذا انہیں زیادہ پیسے کمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شادی نہیں کرتے اور نہ ہی بچوں کا دعویٰ کرتے ہیں کہ چھٹیوں کی منزل ان کا وطن نہیں ہے جہاں وہ شادی کریں گے اور بچے ہوں گے۔ عام طور پر، یہ چھٹی بنانے والوں کا رویہ اور ذہن سازی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان واقعی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہنا بھی عارضی ہے جیسا کہ چھٹیوں پر ہوتا ہے، اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا آخرت میں قیام ہمیشہ کے لیے ہے، لیکن وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتے۔ اگر انہیں واقعی یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے پاس کم وقت ہے، اسی طرح چھٹی کی طرح، تو وہ اپنے گھروں پر زیادہ محنت نہیں کریں گے اور اس کے بجائے ایک سادہ گھر پر مطمئن رہیں گے جیسا کہ مسافر جو ایک سادہ ہوٹل سے مطمئن ہے۔ تو حقیقت میں، یہ دنیا مثال کے طور پر ابھی تک چھٹیوں کی منزل کی طرح ہے، مسلمان اسے ایک جیسا نہیں سمجھتے۔ اس کے بجائے، وہ ابدی آخرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی دنیا کو سنوارنے میں اپنی زیادہ تر کوششیں وقف کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان درحقیقت دائمی آخرت پر یقین رکھتے ہیں جب کوئی دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی دنیا کے لیے کتنی کوششیں کرتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور دنیا کی ضروریات کے حصول اور اس سے استفادہ کرنے پر راضی رہتے ہوئے صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6416 میں مسلمانوں کو اس دنیا میں مسافروں کی طرح زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چھٹی کی منزل

سفیروں نے مسلمانوں کو بھی ایسی قوم قرار دیا جس کا لیڈر ان میں سے ایک جیسا تھا اور اعلیٰ مرتبے والے کو نہ ادنیٰ سے ممتاز کیا جا سکتا تھا اور نہ آقا کو غلام سے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا

ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ” ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

سفیروں نے مسلمانوں کو ایک ایسی قوم قرار دیا جو عاجزی کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور ان میں سے کوئی بھی نماز سے پیچھے نہیں رہا۔

اگرچہ مسلمانوں پر ابھی تک بہت سے واجبات ہیں، ان میں سب سے بڑا فرض نمازوں کا قیام ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی نماز اپنی تمام شرائط اور آداب کو پورا کرتے ہوئے ادا کرتا ہے، جیسے کہ انہیں وقت پر ادا کرنا۔ اس لیے کہ اکثر اوقات فرض نمازوں کا ترک کرنا پہلا قدم ہے جو کبیرہ گناہوں اور گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45

”...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے“

فرض نمازیں ایک رکاوٹ کا کام کرتی ہیں جو انسان کو اس گمراہی سے بچاتی ہیں لیکن جس لمحے کوئی اس رکاوٹ کو ختم کر دیتا ہے وہ وقت ہی کی بات ہے کہ وہ گمراہ ہو جائیں۔ اس کی تنبیہ باب 43 از زخرف آیت 36 میں کی گئی ہے

اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں ”اور وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے۔“

صرف ان لوگوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جن کو وہ جانتے ہیں جو گمراہ ہو گئے ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اکثر اوقات ان کی گمراہی کا پہلا مرحلہ فرض نمازوں کا ترک کرنا تھا۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی فرض نمازوں کو صحیح طریقے سے ادا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے زیر کفالت افراد، جیسے کہ ان کے بچے بھی ایسا ہی کریں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے ان کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی ان پر واجب ہو جائیں۔ اس کی نصیحت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں فرمائی ہے۔ اس اہم تعلیم میں تاخیر والدین اور بچے دونوں کے لیے بڑے ندامت کا باعث بنے گی۔ جب وہ اس کے عادی نہ ہوں تو ان کی فرض نمازوں کو قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ والدین کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ قیامت کے دن اپنے بچوں کی صحیح رہنمائی کرنے میں ناکامی کا جواب دیں گے کیونکہ یہ ان پر فرض تھا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 66 تحریم، آیت 6

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ"

سب برابر ہیں۔

مصر کی مہم کے دوران بابلیوں کے قلعے کا مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ مصر کے حاکم المقوقس نے اپنے چند ایلچیوں کے ساتھ مسلمانوں کے رہنما عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھیجا تھا۔ ایلچی دو دن تک مسلمانوں کے پاس رہے اور واپسی پر مقوقس نے ان سے کہا کہ مسلمانوں کا حال ان کے سامنے بیان کریں۔ ان کے بارے میں سننے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ ان کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا بہتر ہے اس لیے اس نے عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان کے پاس کچھ آدمی بھیجے جن سے وہ بات چیت کر سکے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک گروہ روانہ کیا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو ان کا سربراہ مقرر کیا۔ جب وہ حاکم کے دربار میں پہنچے تو عبادہ رضی اللہ عنہ نے مقوقس کو مخاطب کرنے کے لیے آگے بڑھے لیکن مؤخر الذکر نے ان کی جلد سیاہ ہونے کی وجہ سے انہیں مسترد کر دیا۔ مقوقس نے کسی اور سے ان سے مخاطب ہونے کا مطالبہ کیا لیکن مسلمانوں کے گروہ نے جواب دیا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے سردار ہیں، ان میں سب سے بہتر، ان میں سب سے آگے اور ان میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اسلام میں جلد کے رنگ کا کوئی وزن نہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 325-328 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ”
ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی، حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

کیسے جینا ہے۔

مصر کی مہم کے دوران بابلیوں کے قلعے کا مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ مصر کے حاکم المقوقس نے اپنے چند ایلچیوں کے ساتھ مسلمانوں کے رہنما عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھیجا تھا۔ ایلچی دو دن تک مسلمانوں کے پاس رہے اور واپسی پر مقوقس نے ان سے کہا کہ مسلمانوں کا حال ان کے سامنے بیان کریں۔ ان کے بارے میں سننے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ ان کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا بہتر ہے اس لیے اس نے عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان کے پاس کچھ آدمی بھیجے جن سے وہ بات چیت کر سکے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک گروہ روانہ کیا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو ان کا سربراہ مقرر کیا۔ جب عبادہ رضی اللہ عنہ نے مقوقس کو مخاطب کیا تو اس نے بتایا کہ ان کے دشمنوں کے خلاف جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرتے ہیں ان کے خلاف مہم کی وجہ دنیاوی نفع یا دولت جمع کرنا نہیں ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ خیال رہے کہ وہ جنگ کے ذریعے سونے کا ایک پہاڑ یا صرف چاندی کا سکے کماتے ہیں، جیسا کہ وہ اس دنیا سے صرف کھانے کے لیے کچھ اور بھوک مٹانے کے لیے اور اپنے آپ کو لپیٹنے کے لیے کپڑا چاہتے ہیں۔ وہ مطمئن ہو جائیں گے۔ اگر ان میں سے کسی نے سونے کا ایک پہاڑ بھی کمایا تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خرچ کریں گے اور جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے اس پر راضی ہوں گے۔ اس لیے کہ اس مادی دنیا کی لذت حقیقی لذت نہیں ہے اور اس کی عیش و عشرت حقیقی عیش و عشرت نہیں بلکہ حقیقی لذت اور عیش و عشرت آخرت میں ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی اور جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھایا۔ آپ نے انہیں نصیحت کی کہ ان کی دنیا میں خواہش صرف اتنی ہونی چاہیے کہ وہ بھوک مٹائیں اور اپنے جسم کو ڈھانپ لیں، ان کی اصل فکر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 325-328 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2377 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ وہ اس مادی دنیا کی زیادتی کی فکر نہیں کرتے اور اس دنیا میں اس کی مثال ایک سوار کی ہے ایک درخت کے سائے میں مختصر آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ کر اسے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

درحقیقت ہر شخص ایک مسافر ہے جو اس دنیا میں بہت ہی محدود مدت کے لیے ٹھہرتا ہے اس کے مقابلے میں جہاں سے وہ معنویت، روحوں کی دنیا اور جس طرف جا رہا ہے وہ ابدی آخرت ہے۔ درحقیقت اس کے مقابلے میں یہ دنیا بس اسٹاپ پر انتظار کرنے کی طرح ہے۔ اس حدیث میں اس دنیا کو سایہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سایہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا اور لوگوں کے نوٹس لینے کے بغیر جلدی ختم ہو جاتا ہے جس طرح انسان کے دن اور راتیں گزر جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر سرائے یا ہوٹل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ٹھوس ڈھانچے ہیں جو مستقل ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک دھندلا سایہ اس مادی دنیا کو بہتر طور پر بیان کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی بوڑھا کیوں نہ ہو وہ ہمیشہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک لمحے کی طرح چمکتی اور محسوس ہوتی ہے۔ باب 79 نزیات، آیت 46

جس دن وہ (قیامت کا دن) دیکھیں گے، ایسا ہو گا کہ گویا وہ (دنیا میں) (ایک دوپہر یا صبح کے سوا) ”باقی نہیں رہے تھے۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوار کی طرف اشارہ فرمایا نہ کہ چلنے والا کیونکہ پیدل چلنے والا درخت کے سائے میں سوار سے زیادہ آرام کرتا ہے۔ یہ مزید بتاتا ہے کہ لوگ اس دنیا میں کتنے محدود وقت گزارتے ہیں۔

سایہ میں آرام کرنا اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مادی دنیا کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے جس طرح سوار اپنی ضرورت کا سامان لیتا ہے، یعنی آرام۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کرتے ہوئے اس دنیا سے فوراً رخصت ہونے کی تیاری کرے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ انسان کو آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا کو استعمال کرنا چاہیے۔ سوار آرام کرتا ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ چیزیں اکٹھی کریں جو ان کے لیے آخرت میں فائدہ مند ہوں، بجائے اس کے کہ اپنا وقت غیر ضروری چیزوں کے لیے وقف کریں جو انہیں قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے گی۔ باب 89
:الفجر، آیات 23-24

اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کو یاد کیسے آئے گا؟ وہ کہے گا، "کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔"

مسلمانوں کی طاقت

مصر کی مہم جو کہ رومیوں کے زیر تسلط تھا، اس کے دار الحکومت اسکندریہ کا مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا تھا پھر بھی انہیں فتح کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کرنے میں لگنے والے وقت کی فکر کی اور اپنے سپہ سالار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ شاید یہ تاخیر اس کی فوج کے کچھ گناہوں کی وجہ سے ہوئی ہے یا شاید اس لیے کہ وہ اس مادی دنیا سے محبت کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو فتح دیتا ہے جو اس کے لیے مخلص ہیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے آدمیوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور آپ سے بخشش و رحمت کی دعا کی اور پھر ان کو فتح نصیب ہوئی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 321-322 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ حیرت کی بات ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کیسے یقین نہیں کیا کہ فتح میں تاخیر کسی حکمت عملی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس کے بجائے اس نے یہ سمجھا کہ فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے، اور ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو سچے دل سے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

اگرچہ، دنیا کے قدرتی وسائل جیسے تیل، ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں، لیکن بحیثیت قوم مسلمانوں کا معاشرے اور دیگر اقوام پر بہت کم اثر و رسوخ ہے۔ مسلمان اکثر اس سماجی کمزوری کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، جیسے کہ مغرب کے ممالک۔ وہ مسلمانوں کے خلاف اپنے پروپیگنڈے کو اس وسیع سماجی کمزوری اور اثر و رسوخ کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت نہیں تھی۔ وہ تعداد میں ابھی تھوڑے تھے، پوری قوموں پر غالب آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دوسروں پر انگلی اٹھانے کے بجائے انہیں میں دیکھا اور اپنے کرداروں کا اندازہ لگایا اور قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق بہتر سے بہتر تبدیلی کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت تھی جس کی وجہ سے ان کی طاقت کم ہی کیوں نہ ہو۔ جبکہ آج بہت سے مسلمان دوسروں پر انگلیاں اٹھانے میں اتنے مصروف ہیں کہ وہ اپنی خامیوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر

غور نہیں کرتے۔ اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے مطمئن ہو گئے جو کہ بعض علماء کے نزدیک تمام برے خصلتوں کی جڑ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اپنی ذات سے مطمئن ہے وہ اپنے عیب تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی اصلاح کرے گا۔ یہ ہمیشہ بری خصلتوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنے گا۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ جب مسلمان کہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان کے دشمنوں پر غلبہ ہو جائے گا۔ وہ اور وہ سنن آزادانہ طور پر مسلمانوں کا سامان لے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمبر 4297 میں موجود ایک حدیث میں بھی اعلان فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمان ابو داؤد تعداد میں بہت ہوں گے لیکن پھر بھی دنیا کی نظروں میں ان کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔ یہ مادی دنیا سے ان کی محبت اور موت سے ان کی ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے۔ مادی دنیا کی محبت انسان کو ہمیشہ آخرت کی تیاری سے منہ موڑ دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں نکلے گا اور اس طرح امت مسلمہ کا اثر و رسوخ کم ہو جائے گا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ دوسروں پر الزام تراشی بند کریں اور اپنے کردار پر غور کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس کی اصلاح کریں۔ اس سے وہ آخرت کے لیے جدوجہد اور محبت پیدا کرے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ باقی معاشرے کے دلوں میں ان کا خوف اور احترام ڈال دے گا جس طرح اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کیا تھا۔ اس سے اسلامی قوم ایک بار پھر معاشرے میں طاقت اور اثر و رسوخ حاصل کر سکے گی۔ باب 3 علی عمران، آیت 139

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

دوسروں کے لیے پیار کرنے والا

مصر کی طرف مہم کے دوران، اسکندریہ کے حکمران نے مسلمانوں کے ساتھ امن معاہدے کی پیشکش کی، مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی زمین اور قیدی انہیں واپس کر دیے جائیں تو وہ ٹیکس (جزیہ) ادا کریں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ سودا قبول کر لیا لیکن اپنے جنرل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پہلے ہر ایک قیدی کو اسلام کی پیشکش کریں اور اگر وہ اسلام سے انکار کر دیں تو ٹیکس (جزیہ) ان سے لیا جائے گا۔ جب قیدیوں کو جمع کیا گیا تو انہیں ایک ایک کر کے اختیار دیا گیا اور ہر اسیر کا استقبال کیا گیا جس نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی گرج چمک کے ساتھ استقبال کیا گیا (جب کہ جس نے بھی اس کا انکار کیا اس کی نشانیوں سے ملاقات ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے ندامت اور ندامت۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 336-337 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ اسلام کو رد کرنے سے مسلمانوں کو مالی فائدہ ہوا، جیسا کہ وہ غیر مسلموں سے ٹیکس (جزیہ) لیتے تھے، لیکن ان کے طرز عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہیں مالی فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی فکر تھی۔ یہ دوسروں کے لیے پیار کرنے کا ایک پہلو ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک کہ وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان

مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس بابہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 26:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے کوشش کرنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے ایک قاصد کو فتح مصر کی بشارت سنائی کہ لوگوں کی فکر ان کو دن میں سونے سے روکتی تھی اور اپنی ذات کی فکر اسے روکتی تھی۔ رات کو سونے سے اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 335 میں بحث کی گئی ہے۔

لوگوں کے لیے فکرمندی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کتنا اخلاص رکھتا تھا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

اپنی ذات کی فکر نے عمر رضی اللہ عنہ کو رات کو سونے سے روک دیا۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تئیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ باب 17 :الاسراء، آیت 79

اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو [یعنی قرآن کی تلاوت [اپنے لیے اضافی " [عبادت کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

مہربان علاج

مصر کو فتح کرنے کے بعد اور الفستط میں جمعہ کے پہلے خطبہ کے دوران، عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو مقامی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی جیسا کہ ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا اور وہ ان سے شادی کے ذریعے جڑے ہوئے تھے۔ (ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی معرفت جو مصری تھیں)۔ اس نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں اور اپنی نظریں نیچی کر کے اپنی عورتوں کا زیادہ احترام کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 342 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

اللہ کا گھر

جب بھی کسی مسلمان فوج نے کوئی قلعہ بند چوکی بنائی یا کسی نئے شہر کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے انہوں نے ایک مسجد قائم کی کیونکہ یہ اسلامی علم کو پھیلانے اور نماز قائم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 367 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مذہبی آزادی

یہ بات اہم ہے کہ اگرچہ اسلامی سلطنت کے کچھ حصے لڑائیوں کے ذریعے بڑھے لیکن تاریخ میں دوسری تمام سلطنتوں کے برعکس اس کا مقصد کبھی بھی زمین یا طاقت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اس کا مقصد غیر ممالک کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سننے کا موقع فراہم کرنا تھا، جسے بیرونی طاقتیں روک رہی تھیں، تاکہ وہ اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کریں یا رد کر دیں۔ چونکہ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جسے دل سے قبول کرنا ضروری ہے، اس لیے تلوار کے ذریعے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں۔ باب 2 البقرہ آیت 256

"...دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے"

ان سے پہلے اپنے پیشروؤں کی طرح، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کی حکومت کے تحت تمام لوگوں کو اسلام قبول کرنے یا رد کرنے کا انتخاب کرنے کی آزادی تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قائدین اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ نوزائیدہ سرزمین کے شہریوں کے حقوق کا احترام کریں اور ان کو پورا کریں جنہوں نے اسلام سے انکار کرنے کا انتخاب کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں کو وہی حقوق دیے جو تمام مسلمانوں پر واجب الادا ہیں، اگرچہ انہوں نے حال ہی میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ہو۔ اسلام کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر انصاف پسند اور پر امن معاشرے تشکیل پائے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں نے اسلام کے وسیع فوائد اور سچائیوں کو دیکھ کر قبول کیا۔ لوگوں نے اسلام قبول کیا یا نہیں، مسلمانوں نے انصاف کے ساتھ کام کرتے ہوئے شہریوں کی وفاداری حاصل کی۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عیسائی خادم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن بعد میں نے انکار کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ ایمان میں کوئی جبر نہیں ہے اور اس معاملے کو آگے نہیں بڑھایا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔

یروشلم کو فتح کرنے کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں رہنے والے غیر مسلموں سے یہ معاہدہ کیا کہ ان کی جان، مال، صلیب اور گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 203 میں بحث کی گئی ہے۔

تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ کسی دوسرے مذہب نے جس نے کسی سرزمین پر غلبہ حاصل کیا ہو اس نے اپنے اختیار کے تحت دوسرے مذاہب کو کھلے عام اور ظلم و ستم کے خوف کے بغیر اپنے عقیدے پر عمل کرنے کی اتنی آزادی نہیں دی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر اسلامی سرزمین کے اندر رہنے والے بوڑھے اور معذور غیر مسلموں کے لیے فائدہ کی اسکیموں کا اہتمام کیا۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار ایک بوڑھے اندھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے گھر لے گئے اور کچھ چیزیں دیں۔ اس کے بعد اس نے سرکاری خزانے کے معتمد کو بلوایا اور اسے حکم دیا کہ اس وقت سے اس نابینا آدمی کی مدد کرو اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو بھی تلاش کرو جو ان کی مدد کرے۔ اس نے غریبوں اور معذوروں کو ٹیکس (جزیہ) ادا کرنے کی ضرورت کو بھی ختم کر دیا، جو اسلامی سرزمین میں رہنے والے غیر مسلم حکومت کو ادا کریں گے۔ یہ ٹیکس اس وقت بھی نہیں لیا گیا جب ریاست اسلامی علاقوں میں رہنے والے غیر مسلموں کو بنیادی عوامی خدمات کی حفاظت اور فراہم کرنے میں ناکام رہی۔ درحقیقت شام کی مہم کے دوران، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران جب مسلم فوجیں رومی سلطنت کی سرحد کی طرف پسپائی پر مجبور ہوئیں، جو بالآخر جنگ یرموک کا باعث بنی، ٹیکس۔ شام کے اندر ان علاقوں میں غیر مسلموں سے چھین لیا گیا جن پر مسلمانوں نے ابتدا میں کنٹرول کیا تھا، لوگوں کو واپس کر دیا گیا۔ جب ان کا مال واپس لیا گیا تو لوگوں نے تبصرہ کیا کہ انہیں امید ہے کہ مسلمان رومیوں پر فتح حاصل کر کے ان کی طرف لوٹ جائیں گے کیونکہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ رومیوں سے بہتر سلوک کیا تھا۔ رومی ان سے سب کچھ چھین لیتے تھے اور ان کے پاس کچھ

بھی نہیں چھوڑتے تھے، جب کہ مسلمان جنگ کے زمانے میں بھی اپنی دولت انہیں واپس کر رہے تھے۔ جب غیر مسلم اپنی سرزمین کو بیرونی دشمنوں سے بچانے میں حصہ لیتے تھے تو ٹیکس بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 204-205 اور 444-446 میں بحث کی گئی ہے۔

آخرت کو ترجیح دینا

اپنے آخری حج (کے دوران، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے ۷۳ سال، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راستے میں ابتہ کے مقام پر رک گئے۔ مینا اس نے ریت کا 23 ایک ڈھیر بنایا اور اس پر رکھ دیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے اور اس کے زیر نگرانی لوگ تمام ممالک میں بکھر چکے ہیں اس لیے اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس لے جانے کی خواہش کی۔ (اس کی عقیدت میں اور اس کی کوششیں رائیگاں جانے کے بغیر۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 102 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے موت نہیں مانگی تھی بلکہ لینے کو کہا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا۔ اس طرح دعا کرنا اسلام میں جائز ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5671 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اللہ تعالیٰ سے شہادت اور وفات کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں دعا کی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 101 میں بحث کی گئی ہے۔

آخرت کو ترجیح دینا اسی وقت ممکن ہے جب انسان دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح فہم و ادراک اختیار کرے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین
مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

ایک یاد دہانی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مہر کی انگوٹھی پر کندہ یہ تھا کہ "اے عمر نصیحت کرنے والے کے لیے موت ہی کافی ہے۔" امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 139 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کتنی بار موت کے بارے میں سوچتے اور اس کی تیاری کرتے تھے۔

موت ایک ایسی چیز ہے جس کا آنا یقینی ہے لیکن وقت نامعلوم ہے اس لیے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دیتا ہے جو شاید نہ ہو، جیسے شادی، بچے یا ان کی ریٹائرمنٹ۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ دنیا عارضی اور غیر یقینی ہے جبکہ آخرت دائمی ہے اور ان کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کس طرح کا برتاؤ کرے ان کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ وہ مستقبل میں آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں اور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ رویہ انہیں صرف اس وقت تک مزید تاخیر کا باعث بنتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہو جائے اور وہ اس ندامت کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں جو ان کی مدد نہیں کرے گی۔

اس لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ لوگ مر جائیں گے کیونکہ یہ ناگزیر ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کام کیا جائے کہ انسان اس کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اس کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص آخرت کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دے جو شاید نہ ہو سکیں۔

شرافت ایمان میں ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ اگر ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم اس وقت زندہ ہوتے تو وہ انہیں اگلا خلیفہ مقرر کرتے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 141 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی شرافت کسی کے ایمان کی مضبوطی میں مضمر ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

ہے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ”
ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل،
نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی
حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش
قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی
نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ
طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ
سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ
تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا
اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

قیادت کی خوبیاں

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ اگر میں نے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم کو اپنا اگلا خلیفہ مقرر کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو وہ ان کے لیے خلیفہ ہوں گے۔ جواب دیا کہ اس نے ایسا اس طرح کیا جیسا کہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے تھے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 398 میں بحث کی گئی ہے۔

اس محبت کی جڑ اخلاص ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیہنہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو "کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ تبصرہ کیا کہ اگر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان سے زندہ رہے تو وہ انہیں اگلا خلیفہ مقرر کریں گے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو وہ جواب دیں گے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان کی امت کے امین ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 140-141 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان سے زندہ رہے تو وہ انہیں اگلا خلیفہ مقرر کریں گے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ جواب دیتا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب معاذ رضی اللہ عنہ اس دن اٹھائے جائیں گے۔ قیامت کے دن وہ علماء اور علمائے کرام کی رہنمائی کرے گا اور وہ ان کے آگے پتھر پھینکنے کے فاصلے پر کھڑا ہوگا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 573 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمحل ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قتل

دنیا کا غلام

المغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ابو لولہ نام کا ایک غیر مسلم غلام تھا جو پیسنے کا کام کرتا تھا۔ المغیرہ رضی اللہ عنہ ہر روز آپ سے چاندی کے چار سکے لیتے تھے۔ ابو لولو نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور ان سے کہا کہ وہ المغیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ ان سے جو رقم لیتا ہے اسے کم کر دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مالک کے ساتھ بھلائی کرو لیکن انہوں نے المغیرہ رضی اللہ عنہ سے بات کرنے کا پورا ارادہ کیا۔ لیکن چونکہ یہ جواب ابو لولہ کے لیے مناسب نہ تھا اس لیے وہ ناراض ہو گئے اور انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 383-384 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

واضح ہو گیا کہ ابو لولہ نہ صرف ایک شخص کا غلام تھا بلکہ وہ اپنی خواہشات کا بھی غلام تھا، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا جواب ناانصافی نہیں تھا۔

صحیح بخاری نمبر 2886 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال اور عمدہ لباس کے غلاموں پر تنقید کی۔ یہ لوگ جب یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے ہیں۔

حقیقت میں، یہ تمام غیر ضروری دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ تنقید ان لوگوں کی طرف نہیں ہے جو مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کی تسکین کے لیے مال و دولت اور دیگر دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے حرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو غیر ضروری حلال چیزوں کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ انہیں آخرت اور ان کے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تنقید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس وقت بے صبرے ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا میں اپنی غیر ضروری خواہشات کو حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ رویہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ اپنی خواہشات کو پاتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ نہیں کرتے تو غصے سے اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ رویہ اختیار کرنے والے کے لیے دونوں جہانوں میں سخت نقصان سے خبردار کیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی " ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا "اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

مسلمانوں کو اس کے بجائے صبر کرنا اور اپنے پاس موجود چیزوں پر قناعت کرنا سیکھنا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث کے مطابق یہی حقیقی دولت ہے۔ درحقیقت خواہشات سے بھرا ہوا شخص محتاج ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق کیونکہ یہ اکثر صورتوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 42 اششورہ، آیت 27

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس ”
“مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔

نماز کا اخلاص

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مرنے کے باوجود باجماعت نماز نہیں چھوڑتے تھے۔ اس سے نماز کے لیے ان کی بے پناہ محبت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102

اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے [ابھی تک] نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، ... احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101

“... اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں”

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 6

لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103

”بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔“

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5

”پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔ [لیکن] جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب 74 :المدتثیر، آیات 42-43

[اور ان سے پوچھتے ہوئے]، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟" وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے " والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر 265 قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس

جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43

”اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

احتساب سے ڈرتے ہیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے گھر لے جایا گیا جہاں ایک نوجوان آپ کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی تعریف کی جو عدل و انصاف سے بھرپور تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تمام مراعات کوتاہیوں کا مقابلہ کرے تاکہ وہ نہ ہارے اور نہ کچھ حاصل کرے۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس سے ان کی جوابدہی کے خوف کی نشاندہی ہوتی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے بہتر واقف نہیں ہے۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی

ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8:

پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا " وہ اسے دیکھ لے گا۔

عاجزی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد آپ کو ان کے گھر لے جایا گیا جہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے اور ان لوگوں میں سے ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش تھے۔ اور اس نے اس کی تعریف کی کہ انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ان کی حمایت کی اور ان لوگوں میں سے تھے جن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ جب ان کی وفات پر راضی تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ سب نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے ان پر عطا کی ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 3700 اور 3692 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی عاجزی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 63

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں۔“

نہ یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے کی رحمت اللہ علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ پر جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور ”
[بہترین] انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو اس کی تصدیق طرف سے آتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

پچھتاوا ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد آپ کو ان کے گھر لے جایا گیا جہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے اور ان لوگوں میں سے ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش تھے۔ اور اس نے اس کی تعریف کی کہ انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ان کی حمایت کی اور ان لوگوں میں سے تھے جن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ جب ان کی وفات پر راضی تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ سب نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے ان پر عطا کی ہیں۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر اس کے پاس زمین کے برابر سونا ہے تو وہ اس سے ملنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اپنے آپ کو چھڑا لے گا۔ صحیح بخاری نمبر 3700 اور 3692 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی قیامت کی تیاری کے لیے وقف کر دی تھی، لیکن یہ الفاظ ایسی زندگی گزارنے سے گریز کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں جس کے تحت کوئی

شخص قیامت کے لیے عملی طور پر تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اپنے آخری لمحات میں۔
سوائے افسوس کے کچھ نہیں چھوڑا۔ افسوس، جو ان کی ضرورت کے وقت ان کی مدد نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب بھی انہیں کسی بھی قسم کی دنیاوی ناکامی یا
پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ اپنے آپ کو آخرت کے پچھتاوے کی یاد دلائیں جو کچھ لوگوں کو
:ہوں گے، جیسا کہ باب 89 الفجر، آیت 24 میں مذکور ہے

"وہ کہے گا، "کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔"

اس دنیا میں کسی کے پچھتاوے کے بعد ہمیشہ ایک اور موقع یا دوسرے آپشنز ہوتے ہیں جنہیں وہ
ایک بار پھر کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنا سکتا ہے۔ لیکن آخرت کی پشیمانی اور ناکامی ایسی
چیز ہے جس کی اصلاح نہیں ہو سکتی، آخرت میں اس کا کوئی دوسرا امکان نہیں۔ کسی کو بھی
مختلف طریقے سے کام کرنے کے لیے زمین پر واپس آنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اس لیے ہر مسلمان کو دنیا کی ناکامیوں اور پشیمانیوں کے مقابلے میں آخرت میں ہونے والی ناکامیوں
کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں حلال کامیابی حاصل کرنے کی
کوشش نہ کی جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کی کامیابی پر آخرت کی کامیابی کو ترجیح
دیں۔ یہ ایک اہم ذہنیت ہے جو مسلمانوں کو اس دن تک پہنچنے سے پہلے اپنی چاہیے جہاں ان کی
:ناکامیوں اور پشیمانیوں پر غور کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ باب 89 الفجر، آیت 23

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا؟"

بہترین صحبت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کو یقینی بنائیں اور ان سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے پوچھ لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے گھر میں اپنے دو صحابہ کے پاس دفن کرنے کی اجازت دی گئی، یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اسے اس نے اپنے بیٹے پر زور دیا کہ وہ اسے خلیفہ بتاتے ہوئے اس سے اجازت نہ مانگے کیونکہ وہ اب خلیفہ نہیں رہا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ وہ خود وہاں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ اس کے مرنے کے بعد دوبارہ اس سے اجازت طلب کرے اور اگر وہ اسے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفن کرنے کی اجازت دے دے ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس نے اپنے آپ کو خلیفہ نہیں کہا، کیونکہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر اثر انداز نہیں ہونا چاہتے تھے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے رہنما تھے، ہچکچاتے ہوئے راضی ہو گئے۔ اپنی موت کے بعد دوسری بار اجازت مانگ کر، اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنا ارادہ بدلنے کا موقع دیا کیونکہ وہ شروع میں ہچکچاتے ہوئے راضی ہو گئی تھیں کیونکہ وہ اس وقت مر رہی تھیں۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

دوسروں کے لیے غمگین

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کو یقینی بنائیں اور ان سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے پوچھ لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے گھر میں دفن کرنے کی اجازت کے لیے اپنے دو صحابہ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس۔ ، جس پر وہ راضی ہو گئی۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے پاس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روئیں۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا۔ صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

خلافت کا مشورہ

حکمرانی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کو یقینی بنائیں اور ان سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے پوچھ لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے گھر میں دفن کرنے کی اجازت کے لیے اپنے دو صحابہ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس۔ جس پر وہ راضی ہو گئی۔ جب ان سے اگلا خلیفہ نامزد کرنے کی تاکید کی گئی تو آپ نے انہیں مشورہ دیا کہ اگلا خلیفہ مندرجہ ذیل چھ لوگوں میں سے مقرر کیا جائے گا جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے خوش ہو چکے تھے: علی ابن ابی طالب، عثمان بن عفان، عز زبیر بن عوام، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ عمر نے زور دیا کہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر نہیں کیا جائے گا لیکن وہ اگلے کو منتخب کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے شعیب رومی رضی اللہ عنہ کو اگلے خلیفہ کے مقرر ہونے تک نماز باجماعت کی امامت کے لیے بھی مقرر کیا۔ انہوں نے ان چھ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے سے گریز کیا جسے وہ اگلے خلیفہ کے طور پر منتخب کرتے ہیں اور نماز کی امامت کرتے ہیں کیونکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک قسم کی توثیق ہوتی کہ اگلا خلیفہ کون ہونا چاہیے۔ وہ کسی بھی طرح انتخاب پر اثر انداز ہونے کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 398 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو اگلا خلیفہ بننے سے روک کر بادشاہوں کی روایت سے گریز کیا، حالانکہ وہ اس کے لائق تھا۔ وہ صرف اس کام کے لیے بہترین آدمی کی خواہش رکھتا تھا اس لیے اس نے ان چھ کو منتخب کیا جو خلیفہ کے کردار کے لیے بہترین تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے ساتھ کتنا اخلاص تھا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

حتمی احکام

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات ہو رہی تھی تو انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ حکم دیا جو امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 154 میں درج ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اپنے کفن پر زیادہ خرچ نہ کرو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا تو اس کے بدلے اس کے بدلے اس سے بہتر چیز دے گا۔ لیکن اگر وہ اس سے ناراض ہوتا تو اس کا کفن اتار دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے کفن میں بھی اسراف سے اجتناب کرتے تھے۔

صحیح بخاری نمبر 2886 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال اور عمدہ لباس کے غلاموں پر تنقید کی۔ یہ لوگ جب یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے ہیں۔

حقیقت میں، یہ تمام غیر ضروری دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ تنقید ان لوگوں کی طرف نہیں ہے جو مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کی تسکین کے لیے مال و دولت اور دیگر دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے حرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو غیر ضروری حلال چیزوں کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت سے

غافل ہو جاتے ہیں۔ اس اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ انہیں آخرت اور ان کے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تنقید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس وقت بے صبرے ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا میں اپنی غیر ضروری خواہشات کو حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ رویہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ اپنی خواہشات کو پاتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ نہیں کرتے تو غصے سے اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ رویہ اختیار کرنے والے کے لیے دونوں جہانوں میں سخت نقصان سے خبردار کیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی " ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا "اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

مسلمانوں کو اس کے بجائے صبر کرنا اور اپنے پاس موجود چیزوں پر قناعت کرنا سیکھنا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث کے مطابق یہی حقیقی دولت ہے۔ درحقیقت خواہشات سے بھرا ہوا شخص محتاج ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق کیونکہ یہ اکثر صورتوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 42 اشورہ، آیت 27

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس "مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قبر کھودتے وقت ان کو کفایت شعاری کا حکم دیا تھا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے تو وہ اس حد تک پھیل جائے گی جہاں تک آنکھ کی بینائی پہنچ سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس سے ناراض ہوتا تو قبر اس پر اس وقت تک تنگ ہو جاتی جب تک کہ اس کی پسلیاں آپس میں نہ مل جائیں۔ اس نے اسے یہ بھی کہا کہ اسے دفن کرنے میں جلدی کرو کیونکہ اگر اس میں اچھائی ہے تو وہ اس سے بہتر کی طرف بڑھے گا۔ لیکن اگر اس میں کوئی برائی تھی تو وہ برائی کو اپنے کندھوں سے جلدی سے ہٹا رہے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اس کے لیے مطلوبہ اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو

اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص اس کی طرف ایسی پاکیزگی نہ منسوب کرے جو اس کے پاس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2662 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کی تعریف کرنے سے منع فرمایا۔

یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے کیونکہ اگر تعریف جھوٹ پر مبنی ہو تو سب سے پہلے گناہ ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر لوگوں کی خاص طور پر تعریف کرنا درست ہے، تو جاہل ان کے غرور کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ ایک بری صفت ہے کیونکہ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حد سے زیادہ تعریف کرنے سے تعریف کرنے والے کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی صلاحیت پوری کر دی ہے، اس لیے اس کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کی تعریف سے بے وقوف نہیں بننا چاہئے کیونکہ وہ ان کے اعمال اور باطن میں چھپے ہوئے کردار کو کسی دوسرے شخص سے بہتر جانتے ہیں۔ اس پر اور ان گنت بار غور کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب کو لوگوں سے چھپایا ہے، انہیں غرور سے روکنا چاہیے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو قابل تعریف صفت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے انہیں عطا نہیں کی، اس لیے تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اس طرح استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار بن جائے جو اس کو خوش کرتے ہیں۔ وہ بجائے اس کے کہ دوسروں کو اس حدیث کے بارے میں نصیحت کریں اور تنبیہ کریں کہ وہ دوسروں کی زیادہ تعریف نہ کریں۔

صرف بعض صورتوں میں دوسروں کی تعریف قابل قبول ہوتی ہے اور اس میں ان کی زیادہ تعریف نہ کرنا، سچائی پر قائم رہنا شامل ہونا چاہیے اور یہ اس لیے کیا جانا چاہیے تاکہ وہ مزید اچھے کام کرنے کی ترغیب دیں۔ یہ خاص طور پر بچوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے کہ، ان کے اسکول کے کام کے سلسلے میں ان کی تعریف کرنا، اچھے برتاؤ اور اسلام کے فرائض کو پورا کرنا۔

حتمی مشورہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کو یقینی بنائیں اور ان سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے پوچھ لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے گھر میں دفن کرنے کی اجازت کے لیے اپنے دو صحابہ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس، جس پر وہ راضی ہو گئی۔ مرنے سے پہلے آپ نے مندرجہ ذیل نصیحت کی، جس پر صحیح بخاری، نمبر 3700 اور امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، بز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 2، صفحہ 389-390 میں موجود ایک حدیث میں بحث کی گئی ہے۔

اس نے اگلے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ وہ مکہ سے مدینہ آنے والے ابتدائی ہجرت کرنے والوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں، ان کے حقوق جانیں اور ان کی عزت و مال کی حفاظت کریں۔ اس کے لیے کہ وہ مدینہ کے اصحاب (مددگاروں) کا بھی اچھا خیال رکھے، اللہ ان سے راضی ہو۔ اس نے اگلے خلیفہ کو ان کے ساتھ نرمی برتنے کی تاکید کی، ان کی بھلائی کو قبول کرتے ہوئے اور ان کی

غلطیوں کو معاف کر دیا۔ اسے بستیوں کے لوگوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ اسے عرب بدویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے کیونکہ وہ عربوں کی اصل اور اسلام کا مادہ ہیں۔ وہ ان کے کمتر مال لے کر ان کے درمیان فقراء میں تقسیم کر دے۔ آخر میں، خلیفہ کو چاہیے کہ اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلموں کے حقوق کو لڑ کر اور ان کا دفاع کر کے پورا کرے اور ان پر وہ بوجھ نہ ڈالے جو ان کی استطاعت سے باہر ہو۔

عام طور پر عمر رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت نرمی کی تلقین کرتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔"

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو یہ بھی نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں سے نہ ڈرو۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخر کار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔

اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی یہ نصیحت کی کہ امیروں پر غریبوں پر احسان نہ کیا جائے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر

اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ” ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی، حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو اللہ تعالیٰ کے احکام، اس کی مقدس حدود اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی) گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی

پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ” ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی نصیحت کی کہ جب قانونی سزاؤں کو نافذ کرنے کی بات ہو تو وہ نرمی نہ برتیں۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی مشورہ دیا کہ وہ ناقدین کے الزام سے نہ ڈریں۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کابل بن سکتے ہیں اور انہیں

اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی حق پر قائم رہنے اور اس تک پہنچنے کے لیے بھرپور کوشش کرنے کی تلقین کی۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی ہمیشہ نصیحت کرنے کی نصیحت کی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے بہتر واقف نہیں ہے۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا

تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8:

پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا " وہ اسے دیکھ لے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو مسلمانوں پر رحم کرنے، بوڑھوں کی عزت کرنے، چھوٹوں سے ہمدردی کرنے اور علم والوں کا احترام کرنے کا مشورہ دیا۔

جامع ترمذی نمبر 1921 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص چھوٹوں پر رحم کرنے، بڑوں کا احترام اور حکم دینے میں ناکام رہے تو وہ سچے مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ نیکی اور برائی سے روکنا۔

تمام لوگوں کے ساتھ ان کے عقیدے، عمر یا سماجی حیثیت سے قطع نظر احترام اور مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ درحقیقت کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔

نوجوانوں پر رحم کرنے میں ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رہنمائی کرنا، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ مثال کے طور پر رہنمائی کے ذریعہ کیا جانا چاہئے کیونکہ یہ دوسروں کو خاص طور پر نوجوانوں کی رہنمائی کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں صرف اچھے لوگوں کا ساتھ دینے کی ترغیب دی جانی چاہئے کیونکہ ایک شخص اپنے ساتھیوں کی منفی یا مثبت خصوصیات کو اپناتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آخر میں انہیں یہ بتانا چاہیے کہ اسلام ایک سادہ اور آسان مذہب ہے جو انہیں کافی حلال تفریح کی اجازت دیتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4835 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بزرگوں کا احترام کرنے میں ان کے ساتھ صبر کرنا اور ان سے بحث نہ کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان بڑوں سے اختلاف کر سکتا ہے لیکن حسن اخلاق اور احترام کا ہر حال میں خیال رکھنا چاہیے۔ ان کی ہر وقت مدد کی جانی چاہیے جس میں جسمانی، جذباتی اور مالی مدد شامل ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کوئی بزرگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ بوڑھے ہو جائیں گے تو دوسرے ان کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اسلامی علم کے مطابق نرمی سے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ سختی اکثر لوگوں کو سچائی سے دور دھکیل دیتی ہے۔ ایک مسلمان کو اس فرض کو جاری رکھنا چاہیے خواہ اس سے لوگوں پر اثر پڑے یا نہ پڑے کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ انہیں ان کی خلوص نیت اور کوششوں کا صلہ ملے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی نصیحت کی کہ دولت کو صرف امیروں میں گردش کرنے کی اجازت نہ دیں۔

صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جو امیر ہیں وہ آخرت میں غریب ہی رہیں گے جب تک کہ وہ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہ کریں لیکن یہ لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت مندوں کی اکثریت غلط طریقے سے اپنا مال ان چیزوں پر خرچ کرتے ہیں جو یا تو فضول ہیں اور اس وجہ سے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یا وہ ایسے گناہوں پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ بن جائیں یا وہ خرچ کرتے ہیں۔ حلال چیزوں پر اس طرح سے جس کو اسلام ناپسند کرتا ہے جیسے فضول خرچی یا اسراف۔ ان وجوہات کی بنا پر قیامت کے دن امیر غریب ہو جائیں گے کیونکہ ان کا حساب ہوگا اور ان پر سزا بھی دی جائے گی۔

اس کے علاوہ جو لوگ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہیں کر پاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کا مال انہیں ان کی قبر پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ آخرت کو خالی ہاتھ مفلس کی طرح پہنچ جائیں گے۔ جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ میت دوسروں کے لیے مال چھوڑے گا جب تک کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں۔

آخر کار، جیسا کہ دولت مند اپنی دولت کمانے، ذخیرہ اندوزی کرنے، محفوظ کرنے اور بڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں، یہ انہیں اعمال صالحہ سے غافل کر دیتے ہیں جو کہ قیامت کے دن کسی کو امیر بنا دے گی۔ درحقیقت، اس سے محروم ہونے سے وہ غریب ہو جائیں گے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ دولت کو صحیح طریقے سے خرچ کرنا نہ صرف صدقہ کرنا ہے بلکہ اس میں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر ان کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

حقیقی امیر وہ ہے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے۔ یہ شخص دنیا اور آخرت میں امیر ہوگا۔ اور یہ رویہ زیادہ دولت رکھنے پر منحصر نہیں ہے۔ دولت کا جتنی بھی مقدار صحیح طریقے سے استعمال کی جائے وہ امیر بننے کا سبب بنے گی چاہے اس کے پاس بہت کم دولت ہو۔ درحقیقت یہ شخص اپنی دولت اپنے ساتھ آخرت تک لے جاتا ہے اور یہ رویہ انہیں فارغ وقت فراہم کرتا ہے جس سے وہ نیک اعمال انجام دیتا ہے جس سے آخرت میں ان کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی مشورہ دیا کہ وہ لوگوں کے لیے اپنے دروازے بند نہ کریں۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خود غرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خود غرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کو بھی نصیحت کی کہ طاقتور کو کمزور پر ظلم کرنے کی اجازت نہ دیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر ہر قسم کے اعتراض کرنا فرض ہے۔ ان کی طاقت اور ذرائع کے مطابق برائی کا۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت حاضر ہو اور اس کی مذمت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ لیکن جو غائب تھا اور برائی کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت موجود تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف اس مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو مثال کے طور پر، انہیں ان کے فعل یا قول سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ حق بات کہنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود

حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خاموش رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی آنکھوں میں سٹیٹس

سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں، ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 105۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہیں " ...کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فرض کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ ان پر فرض ہے اور ان کے بارے میں جو وہ جسمانی اور زبانی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ سے محفوظ، کیونکہ یہ اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ یعنی یہ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے کے لیے بری چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12

”...اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...جاسوسی نہ کرو”

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی خواہشات پر نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان یقین کر سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کر رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق نرمی اور منصفانہ طریقے سے برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دھکیل دے گا اور غصہ کرنے کے نتیجے میں مزید گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔

ایک عمدہ رول ماڈل

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بستر پر بٹھا دیا گیا اور لوگوں نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کے لیے دعائیں مانگیں۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی اور کہا کہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ عزوجل سے ملاقات کو عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اپنے اعمال کے ساتھ پسند کرے۔ صحیح بخاری نمبر 3685 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ ایک اچھے رول ماڈل کے انتخاب کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو بہت سے ایسے لوگ نظر آئیں گے جنہوں نے بڑی دنیاوی کامیابیاں حاصل کیں اور بعض صورتوں میں ابھی تک بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا، وہ کم از کم ایک ایسی چیز بھی دیکھیں گے جو ان کے کارناموں کو داغدار کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مشاہدہ کرے تو انہیں کامیابی اور ان گنت چیزوں کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا جن سے بنی نوع انسان کو فائدہ ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ موجود ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹی تنقید کرتے ہیں لیکن آپ کی انتہائی درست اور مفصل سیرت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس کی تصدیق معتبر مسلم اور غیر مسلم مورخین نے کی ہے کہ یہ تنقید کس بنیاد پر کی گئی ہے۔ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام رول ماڈلز کو ایک طرف رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے عیب سیرت کا مطالعہ کریں اور اسے اپنائیں، کیونکہ یہ ہی دنیاوی اور دینی زندگی میں حقیقی کامیابی حاصل کرنے کا واحد راستہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

اس دنیا میں اس سے بڑا کوئی مقصد نہیں۔ درحقیقت یہ وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے لوگ اپنے عقیدے سے قطع نظر کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھا ہے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت ” کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

یہ سادہ سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص دنیوی اور دینی کامیابی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ لیکن اگر وہ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتے ہیں جو بھی داغدار کامیابی حاصل کرتے ہیں وہ بالآخر ان کے لیے بوجھ بن جائے گی اور یہ ایک عظیم دن پر عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔

اچھی صحبت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بستر پر بٹھا دیا گیا اور لوگوں نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کے لیے دعائیں مانگیں۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی اور تبصرہ کیا کہ وہ ہمیشہ یہ سوچتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دو صحابہ کے ساتھ رکھے گا، یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوطالب علیہ السلام۔ بکر رضی اللہ عنہ، جیسا کہ انہوں نے اکثر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔ صحیح بخاری نمبر 3685 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس کی دنیا میں اچھی صحبت آخرت میں اچھی صحبت کا باعث بنی۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلانے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا

پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب: از زخرف، آیت 67 43

”اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔“

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا

اگلا خلیفہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور ان کے مشورے کی بنیاد پر انہوں نے جن چھ کو نامزد کیا: علی ابن ابو طالب، عثمان ابن عفان، عز زبیر بن عوام، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص۔ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے دوسروں پر زور دیا کہ وہ حکمرانی کے امیدواروں کو کم کر کے تین کر دیں۔ عز زبیر نے اپنا حق علی رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حق عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ سعد نے اپنا حق عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے حق سے دستبردار ہو کر باقی دو یعنی علی اور عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھی کے حق میں اپنا حق چھوڑنے کی تلقین کی۔ وہ دونوں خاموش رہے اور سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ پھر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ان سے دوسروں سے مشورہ کرنے کی اجازت طلب کی تاکہ وہ فیصلہ کر سکیں کہ اگلا خلیفہ کون ہونا چاہیے۔ دونوں نے اس کی تجویز مان لی۔ بالآخر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور ان کے بعد سب سے پہلے بیعت کرنے والے علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد باقی لوگوں نے بھی ان کی بیعت کی۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے لیے مکمل اخلاص کے ساتھ عمل کیا اور دنیاوی اسباب سے متاثر نہیں ہوئے اور یہ کہ وہ اگلے خلیفہ کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوری طرح راضی تھے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو "کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک سچی تعریف

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا درجہ آسمانوں پر متعین کیا گیا اور پھر زمین پر سچے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محسن کے طور پر قائم ہوا۔ وہ حق کی آواز تھے اور ہر چیز کو قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ ان کی حکمت اور بردباری ہمیشہ کے لیے اس کے نشان ہیں اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کو تقویت بخشی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اس کے جھنڈے اونچے ہو گئے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا جواب تھا۔ جامع ترمذی نمبر 3681 میں ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ اس دن سے اسلام آباد ہوا اور اس کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔ ان کی خداداد بزرگی سے مسلمانوں کی قسمت کی باری واضح ہو گئی۔ مومنوں کی آواز پوشیدہ رہنے کے بعد سنی گئی۔ مومنین کا جذبہ بلند ہوا اور اس نے وحی الہی کے دفاع کے لیے ایک نئی وضاحت اور عزم پیدا کیا۔ اس دن سے کافروں کا فریب اور ان کی چالیں بہت ہل گئیں۔ ان کی تعداد کے وزن نے طاقت کے توازن کو مزید متاثر نہیں کیا اور ان کی بدمعاشی کی حکمت عملی کو کھلم کھلا چیلنج کیا گیا اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان بہت مضبوط تھا۔ اسلام کو چیلنج کرنے والوں کے منصوبوں کو ختم کرنے کے اس کے عزم نے کافروں کو اپنے طریقوں پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے ان کو اپنے ناقابل تردید بھروسے اور اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ طاقت اور مدد پر ناقابل تلافی بھروسہ کے ذریعے عوامی طور پر چیلنج کیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا ہونے، اس کے دین کو قائم کرنے اور زمین پر اس کی اعلیٰ مرضی کی خدمت کرنے کی امید میں اہل ایمان کی مشکلات اور تکالیف میں بھی شریک کیا۔ اس کی ہم آہنگی اس وقت بھی بولتی تھی جب وہ خاموش تھے، اس کی استقامت اس کی طاقت سے بالاتر تھی، اس کی جہالت اس کے ارادے کو بیان کرتی تھی، اس کے متعینہ الفاظ نبوت کے قریب تھے اور درحقیقت کئی بار وحی الہی سے ان کی تائید ہوتی تھی۔ صحیح بخاری نمبر 402 میں موجود ایک حدیث میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کے الفاظ سچائی اور انصاف سے گونجتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے اور اپنے رب کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

نتیجہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بابرکت زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر کوششیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دیں۔ اس نے عملی طور پر قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے زبانی اعلان ایمان کی تائید کی۔ اس نے اپنی خواہشات کے مطابق احکام کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری طرح سرتسلیم خم کیا اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو پوری تندی سے نافذ کیا اور ہر ممانعت سے پرہیز کیا۔ اس کا واحد مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا اور اس کے تمام قول و فعل اسی عظیم مقصد کی طرف تھے۔ اس رویے نے اسے روحانی طور پر مادی دنیا سے الگ ہونے کی ترغیب دی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور اس نے عملی طور پر اس کی تیاری کے لیے اپنی کوششیں وقف کر کے آخرت سے روحانی طور پر وابستہ ہو گئے۔ یہی وہ خصوصیت تھی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین جماعت بنا دیا۔ اس حقیقت کو امام ابو نعیم الاصفہانی کی، ہلیۃ الاولیاء والطبقات الاصفیہ، روایت 278 میں بیان کیا گیا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہ وہ بھی دونوں جہانوں میں امن و کامیابی حاصل کریں۔

اس کے علاوہ جب ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات آنے والی نسلوں تک آسانی سے نہیں پہنچی تھیں۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خون، آنسو، پسینے اور قربانیوں سے ان تک پہنچے۔ بدقسمتی سے، اس حقیقت کو آج مسلمان اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں، کیونکہ آج کل اسلام کی تعلیمات بہت آسانی سے دستیاب ہیں۔ کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کتنے مایوس ہوں گے اگر وہ دیکھ سکتے کہ مسلمانوں کی اکثریت کس طرح اسلام کی تعلیمات کو رد کرتی ہے، حالانکہ وہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا تاکہ اسلام کو قائم رکھا جا سکے۔ آنے والی نسلوں تک پہنچ سکتا ہے۔ بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی قربانیوں کا صلہ ضرور ملے گا لیکن مسلمانوں کو اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ ان کے مقروض ہیں۔ یہ اقرار صرف الفاظ میں نہیں بلکہ عمل سے ظاہر ہونا چاہیے۔ اس میں خلوص دل سے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلیم

کرنے، عزت کرنے اور ان سے محبت کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ بغیر عمل کے الفاظ محبت سے زیادہ منافقت کے قریب ہوتے ہیں۔

آخر میں ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ کس طرح اس نتیجہ کی خواہش رکھتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ، کردار اور تعلیمات۔ ایک ایسے لوگوں سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جن کو وہ جانتے تک نہیں؟

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی محبت کا ثبوت طلب کیا جائے گا تو وہ قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت ان کی زندگی، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

:مکمل آڈیو بکس - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی زندگی

<https://www.youtube.com/playlist?list=PLt1Vizm7rRKaK5Vk9ldVBnpLLolh0dhYG>

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

400 سے زیادہ مفت ای بکس: <https://shaykhpod.com/books/eBooks/AudioBooks>
کے لیے بیک اپ سائٹ <https://archive.org/details/@shaykhpod>
شیخ پوڈ ای بکس کے براہ راست پی ڈی ایف لنکس:
<https://spebooks1.files.wordpress.com/2024/05/shaykhpod-books-direct-pdf-links-v2.pdf>
<https://archive.org/download/shaykh-pod-books-direct-pdf-links/ShaykhPod%20Books%20Direct%20PDF%20Links%20V2.pdf>

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

آڈیو بکس: <https://shaykhpod.com/books/#audio>
روزانہ بلاگز: <https://shaykhpod.com/blogs/>
تصویریں: <https://shaykhpod.com/pics/>
جنرل پوڈکاسٹ: <https://shaykhpod.com/general-podcasts/>
PodWoman: <https://shaykhpod.com/podwoman/>
PodKid: <https://shaykhpod.com/podkid/>
اردو پوڈکاسٹ: <https://shaykhpod.com/urdu-podcasts/>
لائو پوڈکاسٹ: <https://shaykhpod.com/live/>

ڈیلی بلاگز، ای بکس، تصویروں اور پوڈکاسٹوں کے لیے گمنام طور پر واٹس ایپ چینل کو فالو کریں:
<https://whatsapp.com/channel/0029VaDDhdwJ93wYa8dgJY1t>

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
<http://shaykhpod.com/subscribe>



Achieve Noble Character